لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ

اِنسانِ کامل ﷺ

زیرِ نظر تالیف میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی عملی زندگی کے جواہر ریزے اس طرح دلپذیر اور دلکش انداز میں پیش کئے گئے ہیں کہ ہر شخص اپنے حالات اور اپنے ماحول کے مطابق ان سے خوشہ چینی کر سکتا ہے اور اپنے دامن کو دینی اور دنیاوی گلہائے مُراد سے بھر سکتا ہے۔

اضافہ شدہ ایڈیشن

محمد منیر قریشی

نذیر سنز پبلشرز
۴۰۔ اے، اُردو بازار، لاہور

زیرِ نظر تالیف میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی عملی زندگی کے جواہر ریزے اس طرح دلپذیر اور دلکش انداز میں پیش کیے گئے ہیں کہ ہر شخص اپنے حالات اور اپنے ماحول کے مطابق ان سے خوشہ چینی کر سکتا ہے اور اپنے دامن کو دینی اور دنیاوی گلہائے مراد سے بھر سکتا ہے۔

اضافہ شدہ ایڈیشن

محمد منیر قریشی

نذیر سنز پبلشرز
۴۰۔ اے، اردو بازار، لاہور

بار اول :
سال اشاعت : ۱۹۸۷ء
قیمت : ۳۰/- روپے
پبلشر : نذیر سنز پبلشرز
اے - ۴۰ اردو بازار، لاہور
پرنٹرز : گنج شکر پرنٹرز لاہور

ہر چیز کو محیط ہے سیرت رسولؐ کی

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡم
نحمدہٗ ونصلّی علیٰ رسولہِ الکریم

عرضِ حال

افضل البشر حضرت احمد مجتبےٰ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم تمام عالم انسانیت کے لئے کامل واکمل نمونہ ہیں۔ اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ آپ کی تعلیمات اور آپ کی سیرت سے آج کی تمام متمدّن اور مہذّب قومیں فیضیاب ہو رہی ہیں۔ چاہے وہ زبان سے حضورؐ کی متابعت کا اقرار نہ کریں لیکن عمل سے واضح ہے کہ دنیوی ترقی ومدارج کا حصول صرف آپ کے لائے ہوئے دستور حیات کو اپنانے سے ممکن ہے۔ یہ بات سورج کی طرح روشن ہے کہ کائنات میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا اور کوئی انسان اور کوئی ہستی ایسی موجود نہیں جس کی زندگی ہر حیثیت سے بے داغ، قابل عمل اور ہر شعبۂ زندگی کے لئے کامل نمونہ ہو اور جس کی سیرت کے تمام پہلوؤں کو اس اہتمام اور اس شغف کے ساتھ اجاگر کیا گیا ہو جیسا کہ خود آپ کی سیرت کو کیا گیا ہے۔ آج سے چودہ سو سال پہلے خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم جانتے تھے کہ بعد کے زمانہ میں ان کی اُمّت بداعمالی اور گمراہی میں مبتلا ہو جائے گی اور آپ کی لائی ہوئی علم وحکمت کی باتیں غیروں کے کاشانوں کو روشن کریں گی۔ اسی لئے آپ نے فرمایا کہ اَلۡحِکۡمَۃُ ضَالَّۃُ الۡمُؤمِنِ۔ (دانائی مومن کی کھوئی ہوئی چیز ہے) جسے غیر آج اپنا کر دنیوی زندگی کی نعمتوں سے مالا مال ہو رہے ہیں

خاص خاص باتیں جنہیں ہم چھوڑ چکے ہیں اور دوسری قوموں نے اختیار کر رکھا ہے یہ ہیں ۔

اپنے اساسی نظریہ سے محبت

توحید و رسالت ہمارا اساسی نظریہ ہے اور ہونا تو چاہیئے تھا کہ ہم خود اس سے والہانہ شیفتگی رکھتے اور اس کے خلاف کوئی بات قبول نہ کرتے لیکن ہم اس سلسلہ میں اتنی لاپرواہی کا شکار ہیں کہ مادی دنیا کے پرستار اور دہریے خیالات کے حامل لوگ مشکلات کے لئے جو حل پیش کرتے ہیں وہ بھی ہمارے نعروں کا موضوع بن جاتے ہیں اور ہم آسانی سے ان طوفانی لہروں کے ساتھ بہہ جاتے ہیں جب کہ یہ حقیقت ہے کہ کسی بھی جدید سائنسی طاقت رکھنے والے ملک میں اس کے اساسی نظریہ کی مخالفت جرم ہے اور سخت مواخذہ کے قابل ہے ۔ اپنے اساسی نظریہ کی حفاظت کا اصول انہوں نے اسلام ہی سے سیکھا ہے جسے ہم فراموش کر چکے ہیں ۔ کس قدر عجیب بات ہے کہ ہم جس ہستی کے کلمہ گو ہیں اس کی ہدایات کے خلاف اس کے دشمنوں سے بھرپور تعاون کرتے ہیں ۔ ہماری معاشرت میں ہمارے تعاون سے انہوں نے ایسی ایسی چیزیں داخل کر دی ہیں کہ ہم انہی کی تہذیب و تمدن کے چلتے پھرتے اشتہار بن کر رہ گئے ہیں ۔ ہمیں اپنی قومی اور ملی خصوصیات سے محبت نہیں رہی ۔ اس کا علاج یہ ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے مختلف گوشوں کا مطالعہ کیا جائے اور اپنی عملی زندگی کو ان کے مطابق ڈھالا جائے ۔

اتفاق و اتحاد

مسلمانوں کو کفار کے مقابلہ میں سیسہ کی دیوار کی طرح مضبوط بن جانے کا حکم ہے جبکہ ہم نے آپس میں انتشار اور افتراق کا شیوہ اختیار کر رکھا ہے۔ بھائی بھائی کا دشمن ہو رہا ہے۔ قرآن حکیم فرماتا ہے کہ مسلمان وہ ہیں جو آپس میں مہر و محبت سے رہتے ہیں اور کفار پر سختی کا دباؤ رکھتے ہیں۔ اسی لئے فرمایا ہے کہ جو کسی مسلمان کو عمداً قتل کر دے اس کی سزا جہنم ہے نیز ایک مسلمان کا قتل گویا ساری کائنات کو تباہ کر دینے کے برابر ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خطبہ حجۃ الوداع میں صاف فرما دیا کہ "تمہارے خون اور اموال قیامت تک ایسے محترم ہیں جیسے آج کا دن اور مہینہ۔ کسی مسلمان کے لئے دوسرے مسلمان کا مال حلال نہیں بجز اس مقدار کے جو وہ برضا و رغبت خود دے دے"۔

نااتفاقی کی بڑی وجہ یہ ہے کہ ہماری نظر دوسروں کے مال پر لگی ہوتی ہے ہم دنیوی جاہ و حشم کے مقابلے میں مسلمان بھائی کی عزت و تکریم نہیں کرتے۔ غیروں کے اتفاق و اتحاد کا حال دیکھیے۔ ان میں اس طرح کے غدار پیدا نہیں ہوتے جیسے مسلمانوں میں ہوتے ہیں۔ سیسہ کی دیوار کی طرح مضبوط بن کر ڈٹ جانا انہوں نے اسلام سے سیکھا ہے اور آج دنیا کی سیادت کر رہے ہیں۔

تدبّر و تفکّر فی الخلق

اسلام دین فطرت ہے اور مسلمانوں کو حکم دیا گیا ہے کہ آسمان و زمین کی پیدائش، ان کے عجیب و غریب احوال و روابط اور دن رات کے مضبوط و محکم نظام پر غور و فکر کریں۔

اس طرح ان سب کے خالق کی قدرت اور اختیار کا پتہ چلتا ہے لیکن آج غیر اقوام ستاروں پر کمندیں ڈال رہی ہیں اور ہم لایعنی مصروفیات میں اپنا وقت برباد کر رہے ہیں۔ فکرِ کائنات بغیر ذکرِ خدا کارِ بے خیر ثابت ہوتی ہے کیونکہ وہ قوموں میں آپس کی برتری کا ذریعہ بن جاتی ہے۔ آسمان و زمین اور دیگر مصنوعاتِ قدرت میں غور و فکر وہی محمود ہو سکتا ہے جس کا نتیجہ اللہ کی یاد ہو اور خالق کی ہیبت و عظمت کی طرف راہنمائی کرے۔ موجودہ دور کے مادہ پرست جو مظاہرِ قدرت کی تحقیقات میں اُلجھ کر رہ گئے ہیں صانع کی معرفت سے بے بہرہ ہیں اور قرآن حکیم کی زبان میں وہ اولی الالباب یعنی عقلمند نہیں ہیں بلکہ پرلے درجہ کے جاہل اور احمق ہیں آج کا انسان سائنسی ترقیوں سے بہت مرعوب نظر آتا ہے حالانکہ بات صرف اس قدر ہے کہ ایسی تحقیقات کا مقصد صانعِ حقیقی کا ادراک ہونا چاہیئے تھا نہ کہ ایک دوسرے سے غلو اور سر بلندی حاصل کرنا۔ یہ دنیوی جاہ و حشم خدائے بے مثل کے ساتھ الوہیت اور شرکت کا دعویٰ ہے۔ اس کا وہی انجام ہونے والا ہے جو پہلے دعوےٰ خدائی کرنے والوں کا ہوا۔ ہم مسلمانوں کو اسلام کی اس دعوت کا مثبت جواب دینا چاہیئے کہ خدا کی پیدا کردہ اس کائنات میں غور و فکر کرو۔ اسی مقصد کے لئے ہمیں تعمیری علوم بشمول سائنس محنت سے حاصل کرنے چاہئیں۔ آج کی سائنسی بنیاد مسلمان مفکروں کی تحقیقات پر رکھی گئی تھی۔ ہم اپنے اس ورثہ سے جان بوجھ کر بے خبر رکھے گئے ہیں۔

یہ چند چیزیں راقم نے بطور مشتے از خروارے پیش کی ہیں جو ہماری بدعملی و لاپرواہی کو ظاہر کرتی ہیں۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ مقدسہ ہمیں عمل کی دعوت دیتی ہے۔ ہماری نئی نسل کو یہ باور کرانے کی ضرورت ہے کہ ان کا تابناک مستقبل

آپ ہی کی تعلیمات پر عمل سے وابستہ ہے۔ اگر غیر اقوام آپ سے فیضیاب ہو رہی ہیں تو ہمیں اس نعمت عظمےٰ سے کس چیز نے روک رکھا ہے۔ خالق کائنات کا ارشاد ہے کہ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا ۔ (ہم نے تجھے تمام کے تمام انسانوں کے لئے خوشخبری دینے اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے)
یہی وجہ ہے کہ حضور کی ذات گرامی قدسی صفات بلا استثنیٰ تمام دنیا کے لئے راہبر اور مرشد کامل ہے۔ اس کا ثبوت آپ کے سامنے ہے کہ آپ کی سیرت مقدسہ پر ہر زبان اور ہر طبقہ میں کتابیں موجود ہیں۔ عربی۔ فارسی۔ انگریزی۔ فرانسیسی جرمنی، چینی۔ سواحلی۔ ملائشی۔ ہندی۔ اردو۔ پشتو۔ پنجابی۔ گجراتی اور مرہٹی۔ سب زبانوں میں آپ کے حالات بہ صورت تحریر موجود ہیں اور ان کے لکھنے والے مسلمان بھی ہیں۔ عیسائی بھی۔ ہندو بھی۔ سکھ بھی۔ آریہ بھی اور چینی بھی۔ دوست بھی دشمن بھی۔ آپ خود فیصلہ کریں کہ جس مقدس ہستی کے حالات اپنے بیگانے سب شائع کر رہے ہوں۔ ایک دو کی تعداد میں نہیں سینکڑوں کی تعداد میں مختلف ہاتھوں کی لکھی ہوئی سوانح عمریاں دنیا بھر میں پھیلی ہوئی ہیں وہ ذات گرامی تمام کائنات کے لئے ایک کامل اور اکمل نمونہ ہو سکتی ہے یا نہیں؟

آئیے "انسان کامل" ہونے کے معیار کو سامنے رکھتے ہوئے دیکھیں کہ انسانی تاریخ میں یہ مرتبہ کس کو مل سکتا ہے۔ سب کے لئے قابل تقلید نمونہ بننے کی شرائط حسب ذیل ہو سکتی ہیں۔

یتیمی۔ بچپن۔ جوانی۔ ادھیڑ عمری۔ بڑھاپا پانا۔ بزرگوں یعنی چچا دادا وغیرہ کی خدمت کا موقع۔ غریبی۔ امیری۔ محکومیت۔ حکومت۔ جنگی حالات۔ فتح پانا۔ شکست کھانا۔ اکیلے ہونا۔ لاکھوں کے ہمراہ ہونا۔ غیر شادی شدہ ہونا۔ شادی کرنا متعدد شادیاں کرنا۔ بیمار ہونا۔ تندرست ہونا۔ دوستوں کا حلقہ ہونا۔ دشمنوں میں

گھرنا۔ ملازمت کرنا صاحب اولاد ہونا۔ اپنے سامنے اولاد کا فوت ہونا۔ تجارت و کاروبار کرنا۔ خرید وفروخت۔ قرض ورہن جیسے معاملات کرنا۔ آزاد ہونا مظلوم ہونا۔ ظلم کرنے کی طاقت اور موقع پانا۔ زخمی ہونا۔ قاتل کی زد میں ہونا۔ گمنام ہونا۔ مشہور ہونا۔ نوکروں اور لونڈیوں والا ہونا۔ کنبے والا ہونا۔ ہمسایہ بننا۔ وطن سے دور ہونا۔ یتیم یا بیوہ کا سرپرست ہونا وغیرہ۔

اب آپ تمام دوسرے پیشواؤں کی زندگیوں پر نظر ڈالیں گے تو معلوم ہو گا کہ اگرچہ وہ خود نیک تھے اور نیکی کا پرچار کرتے تھے لیکن انسانیت کے لئے مکمل نمونہ نہ بن سکے۔ کیونکہ یا تو ان کی زندگی کے اکثر حصے لاعلمی کے پردوں میں مستور رہے یا وہ عائلی۔ سیاسی اور مجلسی زندگیوں سے کوسوں دور رہے۔ مثال کے طور پر عیسائی مشنریوں کے دعوؤں کو سامنے رکھ کر ان حقائق پر غور کریں۔

۱۔ حضرت عیسٰے علیہ السلام غریب تھے امیری ان پر نہیں آئی۔ لہذا وہ امیروں کے لئے نمونہ نہیں بن سکتے۔

۲۔ وہ رومیوں کی رعایا تھے لیکن خود کبھی حاکم یا بادشاہ نہیں بنے۔ اس لئے بادشاہ ان سے کوئی سبق حاصل نہیں کر سکتے۔

۳۔ انہوں نے نہ کسی قوم سے جنگ کی اور نہ ہی فتح و شکست سے دوچار ہوئے گویا جنگجو قوم کے لئے نمونہ نہ ہوئے۔

۴۔ حضرت عیسٰے علیہ السلام عمر بھر کنوارے رہے۔ اس لئے ظاہر ہے کہ وہ شادی شدہ یا صاحب اولاد کے لئے نمونہ نہیں بن سکتے۔ اور نہ ہی بیوی یا بیویوں سے عدل کی تعلیم ان سے مل سکتی ہے۔

۵۔ آپ نے کوئی کاروبار نہیں کیا۔ نہ ملازمت نہ تجارت۔ نہ بیع و شراء اور رہن وغیرہ۔ چنانچہ تاجروں۔ ملازموں اور کاروباری لوگوں کو کوئی سبق نہیں حاصل

ہوسکتا۔

پس واضح ہے کہ حضرت عیسےٰ مسیحؑ اگرچہ جلیل القدر پیغمبر تھے اور تمام مسلمانوں پر ان کا احترام واجب ہے لیکن وہ اپنے مخصوص زمانہ کے لوگوں کی خاطر مبعوث ہوئے تھے جس طرح دیگر انبیاء علیہم السّلام اپنے اپنے وقت کے لئے آئے۔ کَافَّۃً لِلنَّاس صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلّم ہی کا حصّہ ہے۔ حضرت عیسےٰ علیہ السّلام کا مشن صرف دو اُمور پر مشتمل تھا۔ اوّل آپ شریعت موسوی کی تصدیق اور اس کی اصلاح کے لئے آئے تھے کیونکہ مرورِ زمانہ سے اس میں بگاڑ پیدا ہوگیا تھا۔ دوم آپ نبی آخر الزّماں۔ ہادیٔ کل۔ رحمت عالمین۔ احمد مجتبےٰ محمّد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور کی بشارت دینے آئے تھے۔ قرآن حکیم کی سورۃ "الصّف" میں آپ کی بعثت کے یہی دو مقاصد بیان ہوئے ہیں۔ حضرت عیسےٰ علیہ السّلام کے حواری برناباس کی انجیل بھی اس بات کی شہادت دیتی ہے۔ اس انجیل میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے آثار اور آپ کے وہ خصائص کبریٰ جن کی بنا پر خدا تعالےٰ نے آپ کو افضل الانبیاء اور خاتم المرسلین کے بلند رُتبے پر فائز کیا تفصیل سے بیان ہوئے ہیں۔ ان تمام باتوں سے کسی شک وشبہ کی گنجائش باقی نہیں رہ جاتی کہ انسان کامل صرف حضور نبی آخر الزّماں حضرت محمّد الرسول اللہ ہی ہیں اور آپ ہی تمام انسانوں کے لئے ہر حال میں راہنمائی کا مینار ہیں۔ حضور نے غربت و امارت کا زمانہ دیکھا لیکن کبھی سیر ہوکر نہ کھایا۔ امن وجنگ میں حصّہ لیا اور سیرت کے اعلےٰ نمونے دکھلائے۔ دشمنوں کو معافیاں دیں۔ اپنے ہاتھوں سے جھنڈے اور علم باندھے۔ مقدّمات کے فیصلے کئے۔ غریبوں کے گھروں میں تشریف لے گئے ان کی احوال پرسی کی۔ اپنے مفلوک الحال لوگوں کی دعوتیں کیں۔ مساجد کی تعمیر اور خندقوں کی کھدائی کی۔ پھر رات رات بھر کھڑے ہوکر اپنے پروردگار کی عبودیت کا حق ادا کیا۔ حتیٰ کہ

پاؤں سوجھ جاتے۔ آپ سے کہا جاتا کہ آپ تو خدا کے محبوب ہیں اور گناہوں سے پاک ہیں پھر کیوں اتنی مشقت؟ حضور فرماتے:۔

"کیا میں اپنے آقا کا شکر گزار بندہ نہ بنوں؟"

ایسے رؤف رحیم آقا کی مقدس زندگی کا ہر ہر لمحہ اس قابل ہے کہ اس کا جا بجا چرچا کیا جائے اور اسے اپنی زندگیوں کے لئے لائحہ عمل بنایا جائے۔

مجھے اپنی کم مائگی کا شدت سے احساس ہے اور اس عظیم ذمہ داری کا بھی۔ جن کی سیرت نگاری کے لئے کمر ہمت باندھی ہے اسی کی رحمۃ للعالمینی سے امید ہے کہ نظر کرم شامل حال ہو گی۔ اگر میری اس کوشش سے کسی ایک بندۂ مومن نے اثر لے لیا اور حضورؐ کی فرمانبرداری کی راہ پر چل نکلا تو میری نجات کے لئے یہی کافی ہے۔ ویسے امید رکھنی چاہیئے کہ:۔

ع

اثر اندوز ہو جائے کوئی روح سعید اس سے غلاموں کو ملے شاید رہائی کی نوید اس سے
کسی کی مغفرت کا یہ اگر سامان ہو جائے تو شاید حشر میں مشکل مری آسان ہو جائے

——— مؤلف

محفوظ ہے حضور صلے اللہ علیہ وسلّم کا کردار آج بھی

آئینِ روزگار کی تشکیل ہو چکی
مدّت ہوئی کہ دین کی تکمیل ہو چکی
آیاتِ بیّنات کی تنزیل ہو چکی
دُنیا میں بند آمدِ جبریل ہو چکی

انسانیت کا اسوۂ کامل حضورؐ ہیں
اس کارواں زیست کی منزل حضورؐ ہیں

روشن ہے نقشِ سیّد ابرار آج بھی
محفوظ ہے حضورؐ کا کردار آج بھی
سُنتے ہیں کان آپؐ کی گفتار آج بھی
نظروں میں ہے وہ عالمِ انوار آج بھی

اِک اِک ادا حضورؐ کی مشہود ہے یہاں
میرا رسولؐ آج بھی موجود ہے یہاں

دیباچۂ نجات ہے سنّت رسولؐ کی
سرمایۂ حیات ہے حکمت رسولؐ کی
فرقانِ خیر و شر ہے نبوّت رسولؐ کی
ہر چیز کو محیط ہے سیرت رسولؐ کی

اس سے حیات کا کوئی گوشہ بچا نہیں
دُنیا میں اور کوئی رہِ ارتقا نہیں

اہلِ فنا کے واسطے آبِ بقا ہے یہ
شیرازہ بندِ عالمِ عشق و وفا ہے یہ
باطل کی ظلمتوں میں چراغِ ہدیٰ ہے یہ
مشکل کسی طرح کی ہو مشکل کشا ہے یہ

مغرب کا ہر نظامِ عمل بے ثبات ہے
سُن لو کہ عصرِ نَو کی اسی میں نجات ہے

(محشر رسول نگری)

حضورؐ! ہم شرمندہ ہیں

اے کائنات کے والی، محسنِ انسانیّت! خدا نے آپ کو رحمۃٌ للعالمین بنا کے بھیجا ہے۔ آپ کی زندگی عالمِ انسانیت کے لئے مشعلِ راہ ہے۔ کسی طرح کی دُوئی گوارا نہ کرنے والے خدا نے ہم پر یہ احسان فرمایا کہ اپنے محبوب کو ہمارا بھی محبوب بنا دیا۔ ع

اُدھر اللہ سے واصل اِدھر مخلوق میں شامل

لیکن افسوس ہم نے اس نعمتِ عظمیٰ کی قدر نہ کی۔ زبان سے اپنے آپ کو اُمتی کہا۔ افعال و حرکات سے غیریّت کا ثبوت دیا۔ ہم اغیار کی سازشوں کا شکار ہو گئے جو ہم سے زیادہ اس حقیقت کو جانتے ہیں کہ اگر مسلمان اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات پر عمل پیرا ہو گئے تو دُنیا میں بس مسلمان ہی مسلمان رہ جائیں گے اور کوئی باطل قوم قدم نہ جما سکے گی۔ انہوں نے تحریص و ترغیب کے تمام حربے آزمائے اور اپنے ترکش کے سارے تیر ہم پر ختم کر دیئے جو خاصے کارگر ہوئے ہم میں نااتفاقی۔ بددیانتی۔ نفسانفسی۔ بےحیائی و فحاشی۔ حرام خوری۔ ظلم۔ بدزبانی اور حرص و طمع جیسے رذائل نے گھر کر لیا ہے۔ ہم ان سے سخت ناخوش ہیں اور چاہتے ہیں کہ آپ کی سیرتِ مقدسہ کی برکت سے ان کو اپنے سے دور کر سکیں۔

اے کملی والے آقا! آپ نے اُمّت کو ہر لمحہ اور ہر آن یاد رکھا۔ اپنی پیدائش کے ساتھ ہی سجدہ کیا اور اُمّت کی مغفرت طلب فرمائی۔ قرآنی آیات کی تلاوت کے دوران اکثر سجدے کئے اور اُمّت کے بارے میں راضی کئے جانے کے وعدے حاصل کئے عرش پر معراج کی رات اُمّت کی فکر رہی۔ ہر عیدالاضحےٰ کو اُمّت کی طرف سے

قربانیاں کیں حتیٰ کہ دنیا سے پردہ فرمانے کے وقت بھی عاصی اُمّت کو فراموش نہیں کیا۔ بڑی بدنصیبی اور بڑی شقاوت ہوگی اگر ہم آپ کے احسانات کو بھول جائیں۔

اے خالقِ کائنات ہم تیرے حضور وعدہ کرتے ہیں کہ تیرے حبیب لبیب حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کو اپنی مشعلِ راہ بنائیں گے۔ تو ہمیں اس پر پوری طرح عمل کرنے کی توفیق مرحمت فرما! آمین ہ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم بچوّں کے لئے نمونہ

معلّم انسانیّت کا بچپن بھی نوعمروں کے لئے سبق آموز اور قابل تقلید ہے۔ آپؐ کی ولادت باسعادت دوشنبہ (سوموار) کے دن صبح صادق کو طلوعِ آفتاب سے پہلے ہوئی تاریخ ۹ ربیع الاوّل اور بعض کے نزدیک ۱۲ ربیع الاوّل ہے۔ آپؐ کے والد حضرت عبداللہ آپؐ کی پیدائش سے قبل بغرض تجارت سفر میں تھے کہ مدینہ کے قریب انتقال کر گئے اور وہیں دفن ہوئے۔ حضوؐر کے چچا اور دادا آپؐ کی پیدائش پر بہت خوش ہوئے۔ چچا ابولہب نے خوش خبری سنانے پر اپنی لونڈی ثوبیہ کو آزاد کر دیا۔ دادا عبدالمطلب نے آپؐ کا نام محمدؐ رکھا۔ والدہ کو خواب میں ہدایت کی گئی تھی جس کی بنا پر آپ نے احمد نام رکھا۔ یہ دونوں آپ کے ذاتی نام ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش کے وقت انکی والدہ سیّدہ آمنہ کو کوئی تکلیف نہ ہوئی۔ آپکی ناف خود بخود کٹی ہوئی تھی اور پہلے سے ختنہ ہو چکا تھا آپ نے صرف سات روز حضور آمنہ کا دودھ پیا بعد میں اسی آزاد کردہ لونڈی ثوبیہ نے آٹھ یوم تک دودھ پلایا۔ نیز عاتکہ نامی تین اور عورتوں نے بھی پلایا۔ غرضیکہ ایک ماہ بعد دائی حلیمہ سعدیہ کی تحویل میں دیئے گئے۔

مکہ میں پیدا ہونے والے بچے جنگل کی کھلی فضا میں پرورش کے لئے دور دراز دیہات میں بھیج دیے جاتے تھے۔ دائیاں قافلوں کی صورت میں آتی تھیں اور وہ

سرداروں اور امیروں کے بچے گود میں لے جاتی تھیں۔ چند سال ان کی تربیت کر کے
واپس شہروں میں آکر بڑے بڑے انعام پاتی تھیں۔ اس سال بھی رواج کے مطابق قبیلہ
بنی سعد کی عورتیں آئیں اور تقریباً سب عورتوں کو متموّل سرداروں اور امیروں کے
بچے ملے۔ لیکن حلیمہ سعدیہ باقی رہ گئیں۔ آخر ان کو معلوم ہوا کہ سردار مکہ عبدالمطلب کا
پوتا محمّد بن عبداللہ ہے جو یتیم ہے اور جسے کسی عورت نے قبول نہیں کیا۔ حلیمہ پہلے
بہت تذبذب کا شکار ہوئیں کہ خالی ہاتھ واپس جاؤں یا کہ یتیم بچے سے اپنی گود کو بھروں
لیکن بھرپور معاوضہ اور حق الخدمت تو باپ ہی سے ملا کرتا ہے۔ بہر حال آپ اُمّ محمّد
(آمنہ) کے پاس آئیں اور چند تمہیدی باتیں کیں۔ آمنہ خیال کر رہی تھیں کہ حلیمہ سلام کر کے
واپس جانے ہی والی ہیں۔ اچانک حلیمہ نے کہا ذرا مجھے اپنے چاند کا چہرہ تو دکھاؤ۔ آمنہ
نے اوڑھنی ہٹائی تو نومولود نے حلیمہ سعدیہ کا دل موہ لیا۔ انہوں نے محبت کے ساتھ آپ کو
گدگدایا اور اپنی آغوش میں اٹھا لیا۔ یوں معلوم ہوا جیسے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)
نے ہاتھ بڑھا کر حلیمہ کا دل پکڑ لیا ہے اور اسے اپنی جانب کھینچ لیا ہے۔ حضور کو گود میں
لئے ہوئے وہاں سے اجازت لے کر حلیمہ اپنی قیام گاہ پر آئیں۔ آپ کی سوکھی ہوئی
دونوں چھاتیاں دودھ سے لبریز ہو گئیں۔ حضور نے صرف ایک پستان (دائیں) سے
دودھ پیا اور دوسرے کو بالکل منہ نہ لگایا۔ حلیمہ سمجھ گئیں کہ یہ آپ نے رضاعی بھائی عبداللہ
کے لئے چھوڑ دیا ہے۔ اس سے آپ کی منصف مزاجی واضح ہوئی۔

حلیمہ کہتی ہیں ہم سب افراد خاندان جو لمبا سفر کر کے مکہ پہنچے تھے کئی وقت کے
فاقہ سے تھے۔ بچے بھی بھوک سے بلک رہے تھے۔ جب میں نے اپنی چھاتی میں دودھ
کی برکت دیکھی تو سوکھے ہوئے تھنوں والی کمزور بکری کی طرف توجہ کی اور اپنے خاوند
حارث سے کہا ذرا بکری کو بھی دیکھو۔ انہوں نے تھنوں کو ہاتھ لگایا تو شیر سے لبریز

پایا۔ سارے گھر والوں نے سیر ہو کر دودھ پیا اور زندگی کی تنگی کو فراخی میں بدلا ہوا پایا۔ دوسرے دن جب حلیمہ کا قافلہ مکّہ سے روانہ ہوا تو ان کی کمزور اور نحیف سواری میں اتنی پھرتی اور طاقت آگئی کہ سب کو پیچھے چھوڑتی ہوئی آگے نکل گئی۔ حضور کی برکت سے ایک زبردست قحط سے بھی قبیلہ کو رہائی ملی جس میں عورتیں اپنے پیارے بچّوں کو کھانے پر مجبور ہو گئی تھیں۔ جب ان لوگوں کی بکریاں اس جنگل میں چرنے لگیں جہاں حلیمہ کے مویشی چرتے تھے تو پیٹ بھر کر اور دودھ سے لبریز واپس آتی تھیں یہ سب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود باجود کی برکت تھی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جسمانی نشوونما نہایت تیزی سے عمل میں آرہی تھی۔ ایک برس کی بالیدگی ایک ماہ میں ہوتی تھی۔ بارہ مہینوں کے دوران آپ نے درجہ بدرجہ گھٹنوں کے بل چلنا۔ اپنے پاؤں پر کھڑا ہونا۔ میانہ روی سے چلنا۔ تیز رفتاری سے چلنا۔ باتوں کا دانشمندانہ جواب دینا اور عمر میں کچھ بڑے لڑکوں کا بہادرانہ مقابلہ کرنا سیکھ لیا تھا۔ جب سے طاقت گفتار کا استعمال شروع کیا بسم اللہ کہے بغیر کسی چیز کو ہاتھ میں نہ لیا۔

ہم عمر بچّے تہبند اتار کر کندھے پر ڈال لیتے اور کھیل کے لئے پتھر ڈھوتے تھے۔ حضور نے ان کے اصرار پر کبھی ایسا نہ کیا اور عریاں ہونا پسند نہ کیا۔

کبھی بستر پر بول و براز نہ کیا۔

کھیل کود اور لہو ولعب میں حصہ نہ لیا نہ لڑے جھگڑے نہ کسی گانے کی مجلس میں حصّہ لیا۔

حلیمہ دائی کو نہلانے دھلانے یا پونچھنے کی ضرورت نہیں پڑتی تھی۔ آپ سدا پاک صاف نظر آتے تھے۔

اس کم عمری میں بھی دائی حلیمہ سے بے حد محبت کا برتاؤ کرتے اور ہمیشہ ان کے خاندان کی بہتری سوچتے۔ دائی حلیمہ کی کمزور مالی حالت دیکھ کر آپ نے ملازم نہ رکھنے دیا اور اصرار کیا کہ میں بھی آپ کی بکریاں چرانے جایا کروں گا۔ حلیمہ نے بادلِ نخواستہ اجازت دے دی۔ چند یوم کے بعد دوپہر کو آپ کے رضائی بھائی عبداللہ دوڑتے ہوئے آئے اور کہا اماں جلد دوڑو کہ ہمارے بھائی محمد کو دو آدمیوں نے چت لٹا کر پیٹ چاک کر ڈالا ہے۔ حلیمہ روتی ہوئی شوہر حارث کے ساتھ اس مقام پر پہنچیں۔ وہاں آنحضرت کو صحیح و سالم کھڑا ہوا پایا۔ احوال پوچھا تو حضور نے بیان کیا کہ آسمان سے دو شخص اترے جو سبز ریشمی لباس میں تھے۔ مجھے لٹا کر سینہ چاک کیا اور دل کو دھو کر دوبارہ سینے میں رکھ کر ٹانکے لگا دیئے۔ حلیمہ اور حارث کی جان میں جان آئی لیکن وہ آمنہ کی امانت کو جلد از جلد واپس کرنا چاہتی تھی۔ چنانچہ چار برس کی عمر شریف تھی کہ حضرت آمنہ نے اپنے لختِ جگر کا استقبال کیا اور حلیمہ کو بہت سا مال و منال حقِ خدمت دے کر عزت سے رخصت کیا۔ اظہارِ نبوت کے بعد آپ کی رضاعی ماں حلیمہ۔ شوہر حارث اور ایک رضاعی بہن بھائی آپ پر ایمان لائے۔ بچپن کے ابتدائی زمانہ کے پاکیزہ اخلاق اور نیک اطوار ہی اس کا باعث بنے۔

آپ کی والدہ حضرت آمنہ کچھ بیمار رہنے لگیں۔ اسی دوران انہوں نے اپنے خسر سے اپنے میکے جانے کی اجازت طلب کی جو مدینہ میں تھا۔ عبدالمطلب نے اس شرط پر رضامندی کا اظہار کیا کہ ان کی صحت اچھی ہو جائے تو سفر کریں۔ خدا کا کرنا کہ وہ اسی خوشی سے ٹھیک ہو گئیں اور مدینہ روانہ ہو گئیں۔ حضور کو دودھ پلانے کے لئے دایہ اُمّ ایمن ساتھ تھی۔ ایک ماہ مدینہ میں گزار کر آمنہ مکہ واپس آرہی تھیں کہ راستہ میں ان کا انتقال ہو گیا۔ اُمّ ایمن انہیں واپس مکہ میں عبدالمطلب کے پاس لائیں۔ عبدالمطلب کو پیہم صدمات نے اور ضعیف کر دیا اور ان کا وقت آخر آپہنچا چنانچہ حضور کی کفالت آپ کے

چچا ابوطالب کے ذمہ کر کے دنیا سے رخصت ہو گئے۔ یہ کہنا بے جا نہیں ہوگا کہ ابوطالب نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کفالت کا پورا حق ادا کیا اور اپنے باپ عبدالمطلب کی وصیت کے مطابق سدا ان کی خاطر داری کی۔ کھانا اپنے ساتھ کھلایا۔ پاس سلایا۔ ہر جگہ ساتھ لے گئے اور ہمیشہ میٹھی باتوں سے ان کا دل بہلایا۔

حضور دنیا کے تمام سعید بیٹوں میں سب سے بڑھ کر سعید تھے۔ اپنے بزرگوں کی عزت واحترام حد سے زیادہ کرتے تھے اور اسی کی سب کو تلقین کرتے تھے۔ فرماتے تھے تم کو چاہیئے کہ اپنی ماں کی عزت وتکریم باپ سے تین گنا کرو۔ اس لئے کہ ماں نے تمہاری پرورش اور تربیت میں بہت زیادہ صعوبتیں برداشت کی ہیں۔ باپ تو رعب سے بھی خدمت لے سکتا ہے لیکن ماں بیچاری کمزور اور حقیر سمجھی جاتی ہے۔ اسی لئے فرمایا کہ جنّت ماں کے قدموں میں ہے۔

ایک صحابی کا بیان ہے کہ ایک دفعہ ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک عورت آئی۔ آپ نے ان کے بیٹھنے کو اپنی چادر بچھادی۔ وہ اس پر بیٹھ گئیں۔ ان کے چلے جانے کے بعد ہم نے پوچھا یہ کون تھیں؟ حضور نے فرمایا یہ میری رضاعی ماں حلیمہ تھیں۔ آپ ان کے آنے پر ہمیشہ بے حد احترام کرتے اور "میری ماں" کہہ کر اٹھ کھڑے ہوتے اور اپنی چادر بچھا کر اس پر ان کو عزت سے بٹھاتے ایک دفعہ جنگ میں اسیر ہو کر قبیلہ بنو سعد کے بہت سے مرد و عورت مسلمانوں کے ہاتھ آئے۔ حضرت حلیمہ سعدیہ ان کی رہائی کے لئے حضور کے پاس تشریف لائیں آپ حسب عادت ان کے آنے پر اٹھ کر کھڑے ہو گئے اور تشریف لانے کی علت دریافت کی۔ حلیمہ نے کہا بیٹے تمہاری خالائیں اور پھوپھیاں تمہاری قید میں ہیں ایسا کیونکر ہوا؟ آپ نے اسی وقت اپنے اور قریش کے حصہ کے قیدی رہا کر دیئے اور

پھر دوسرے مسلمانوں سے سفارش کی میری ماں حلیمہ کی قوم کے سارے افراد کو رہا کر دو۔
چنانچہ حلیمہ خوش خوش واپس ہوئیں۔ حضور کو اپنی حقیقی والدہ سے بھی زیادہ محبت تھی
افسوس انکا انتقال آپ کے بچپن ہی میں ہوگیا۔ زمانۂ نبوّت میں آپ کا گزر اکثر اپنی
والدہ آمنہ کی قبر شریف پر ہوتا اور آپ کے رخساروں پر آنسو ڈھلک آتے۔ آپ
کے صحابی بھی درد اور رقت کی تاب نہ لاکر آنسو بہانے لگتے۔ آپ ایسے موقع پر اپنے
ساتھیوں کو بتاتے کہ میں چھ سال کا تھا کہ میری والدہ فوت ہوئیں۔ وہ میرے
والد عبداللہ کی قبر دیکھنے یثرب آئی تھیں اور یہیں فوت ہوئیں۔ دائی اُمّ ایمن بھی
ہمارے ساتھ تھیں۔ ایک لڑکی انیسہ نامی ہمارے ساتھ کھیلا کرتی تھیں۔ فلاں
قلعہ کی دیوار پر ایک پرندہ آکر بیٹھا کرتا تھا اور ہم اسے اڑانے میں خوشی محسوس
کرتے تھے۔ فلاں باولی میں میں تیرا کرتا تھا۔ گویا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بچپن کے
سارے واقعات یاد تھے۔ اس سے صاف واضح ہوتا ہے کہ حضور نے زمانۂ طفولیت
نہایت ہی شریف الطبع۔ متین۔ سنجیدہ۔ فرمانبردار۔ راست گفتار۔ عالی ہمت
اور سعادت مند بیٹے کی حیثیت سے گزارا۔ اگرچہ ماحول سازگار نہ تھا۔ آپ کا یتیم
ہو جانا اور تعلیم و تربیت کی کفالت نہ ہونے کی حالت میں بھی اخلاقِ فاضلہ سے متصف
ہونا اور اپنے آپ کو اخلاقِ رذیلہ سے بچائے رکھنا۔ اجڈ اور وحشی بدوؤں
اور چرواہوں میں رہ کر فرشتوں کی سی پاکیزہ زندگی بسر کرنا صرف آپ اور آپ ہی
کا کام تھا۔ ہم عمر لڑکے آپ کو کھیل کود کے لئے بلاتے تو ارشاد فرماتے کہ خدا نے
مجھے کھیل کود کے لئے پیدا نہیں کیا۔ خوبی یہ ہے کہ آپ کے ساتھی لڑکوں کو یا آپ
کے سرپرستوں کو کبھی آپ سے بے لطفی یا عدم تعاون کی شکایت پیدا نہیں ہوئی۔
جن لوگوں نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا بچپن دیکھا ہے انہوں نے شہادت

دی ہے کہ آپ نے کبھی جھوٹ نہیں بولا۔ ناواجب مذاق نہیں کیا۔ گھر میں کبھی مانگ کر کھانا نہیں کھایا۔ جو کچھ کھانے کے لئے دیا جاتا کھا لیتے۔ کسی کھانے والی چیز میں کوئی نقص یا عیب نہیں نکالا۔ ان باتوں سے صاف پتہ چلتا ہے کہ آپ کی طبیعت بچپن ہی سے حد درجہ وقار، ضبطِ نفس، حیا اور سوال سے نفرت جیسی خوبیوں سے متصف تھی۔ جس شخص کو انسانی اعمال کا بہترین نمونہ درکار ہو حضور کی مبارک زندگی اس کے لئے ایک کھلی کتاب کی طرح ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم
جوانوں کے لئے نمونہ

بچپن کا زمانہ لااُبالی اور خود فراموشی کا ہوتا ہے لیکن حضور نے اس عرصہ میں بھی ذہانت۔ ہمدردی اور علم و حکمت کے مظاہرے کئے۔ نوجوانی کے عہد میں عموماً بڑے بڑے کارہائے نمایاں کی توقع کی جاتی ہے اور جو شخص اس وقت کو سستی اور کاہلی میں گزار دے تو اس سے توقع نہیں کی جاسکتی کہ وہ ادھیڑ عمری یا بڑھاپے میں کوئی نمایاں کامیابی حاصل کر سکے گا۔ حضور علیہ السلام نے چالیس سال کی عمر شریف میں نبوت کا اظہار کیا اور نوجوانی کا عہد اسی کی تیاری میں گزرا۔ آپ نے اپنی رحمدلی اخلاق۔ وفاداری۔ سچائی اور انصاف پسندی سے "امین" کا لقب پایا۔ پندرہ سال کے قریب عمر تھی کہ حرب الفجار کی جنگ میں (جو کہ نو سال تک جاری رہی) اپنے چچا کی مدد کے لئے شامل ہوتے۔ آپ کی بہادری سے یہ ثابت ہوا کہ محافظین کعبہ کے خاندان میں آپ بھی ایک دلیر جنگی شخصیت ہیں۔ آپ کے چچا نے آپ کو مالدار بیوہ خدیجہ کا مال لے کر بغرض تجارت ملک شام جانے کی ہدایت کی۔ کیونکہ وہ ضعف پیری اور کثرت عیال کے باعث خود جانے سے معذور تھے اور "صادق الوعد اور امین" پر ہر طرح کا بھروسہ کر سکتے تھے۔ خدیجہ آپ کی امانت داری

کی پہلے ہی معترف تھیں۔ ابوطالب کے ارادے کی خبر پاکر خدیجہ نے خود کہلوا بھیجا کہ اگر محمدؐ ان کے کاروبار کی ذمہ داری سنبھالنے پر تیار ہوں تو ان کو دُگنی اُجرت دینے کو تیار ہوں۔

آج کے نوجوان کو اچھی طرح حضور کی سیرت کے اس پہلو پر غور کرنا اور عمل کرنا چاہیئے۔ فی زمانہ نوجوانوں کی بیکاری اور پریشان حالی کا باعث یہی ہے کہ انھوں نے تعمیر کردار کی طرف سے آنکھیں بند کر رکھی ہیں۔ تہذیب مغرب کی نقالی کرتے ہوئے وہ چاہتے ہیں کہ راتوں رات امیر بن جائیں اور ہر طرف پیسے کی لہر بحر ہو جائے چاہے وہ کیسے ہی ناجائز ذرائع سے حاصل ہوا ہو۔ اگر وہ دیانت۔ ایمانداری اور تقویٰ اختیار کریں تو یقین ہے کہ خالق کائنات خود ان کی دستگیری کو آئے گا اور بہترین اسباب پیدا فرمائے گا۔ الغرض آنحضرت مال تجارت لے کر خدیجہ کے غلام میسرہ اور ایک عزیز خزیمہ کے ساتھ ملک شام کو روانہ ہو گئے۔ بچپن میں آپ نے شام کا پہلا سفر کیا تھا۔ اور عیسائی راہب بحیرا نے ابوطالب کو صاف بتا دیا تھا کہ انجیل کی بشارتوں کے مطابق یہ نبی آخر الزماں ہونے والا ہے اور اس وقت چچا ان کو جلد ساتھ لے کر واپس آ گئے تھے۔ اس سفر میں بحیرہ کا جانشین نسطورا سامنے آیا اور کہا دیکھو جس مبارک درخت کے نیچے محمدؐ بیٹھے ہیں اس کے نیچے نبی کے سوا کوئی نہیں بیٹھ سکتا۔ یہی نبی آخر الزماں ہیں آپ نے اس سفر میں اتنی محنت اور مہارت سے کام کیا کہ مال تجارت میں دوچند نفع ہوا۔ واپسی پر خدیجہ نے اپنے بالاخانے سے منظر دیکھا کہ مکہ میں داخل ہوتے ہوئے نورانی پرندوں نے آپ پر سایہ کیا ہوا ہے۔ چنانچہ اپنے غلام سے سفر کے حالات معلوم کرنے کے بعد خدیجہ نے آپ کے ساتھ نکاح کرنے کا خیال پکا کر لیا۔ آپ کے نکاح سے متعلقہ حالات باب "شوہروں کے لئے نمونہ" میں بیان ہوں گے۔

حضور نے مال مع منافع مالکہ کے حوالے کیا اور اپنا حق الخدمت وصول کر کے سیدھے بزرگ چچا ابوطالب کے پاس آئے اور اپنی ساری کمائی ان کے سامنے رکھ دی۔ نوجوانو! غور کرو۔ ایک سعادت مند بیٹے کی سب سے بڑی سعادت یہ ہے کہ اس کا سب کچھ بزرگوں کے پاؤں میں رکھ دیا جائے جس سے اس کو برکت حاصل ہوتی ہے۔ حضور نے اپنے مربیٔ و محسن چچا کو اپنے باپ کی جگہ جانا اور ان کی عزت و تکریم کی۔ ہر شریف النسل کو یہی عمل زیبا ہے۔ حضور کا وجود باجود اس وقت مکہ میں عدل و انصاف اور قوت فیصلہ کے لئے مشہور تھا۔ اُلجھے ہوئے مسائل کو حل کر دینا آپ ہی کا کمال تھا۔ عبدالمطلب کے بعد مکہ کے انتظام و انصرام میں رخنہ پیدا ہو گیا تھا۔ خاص حرم مکہ کے اندر غیر اخلاقی وارداتیں ہونے لگیں۔ چنانچہ سب بڑے بڑے خاندانوں نے ایک معاہدہ "حلف الفضول" کے نام سے مرتب کرنے کے لئے میٹنگ بلائی۔ اس کی رو سے کمزور اور مظلوم بندگانِ خدا کی ہمدردی اور اعانت کا فیصلہ ہوا۔ حضور کو بھی اس میں شریک کیا گیا بلکہ آپ ہی کی سعی و کوشش سے مستحکم معاہدہ طے پایا۔ آج کے نوجوانوں کو بھی ملی تعمیر و ترقی کے تقاضوں کو پورا کرنے میں سخت جد و جہد کام میں لانی چاہیئے۔

اظہارِ نبوت سے پہلے بھی حضور کی نوجوانی اور طاقتیں اپنے ملک اور اپنے بزرگوں کی خدمت میں کام آتی تھیں۔ کعبہ کی تعمیر نو کے وقت حجر اسود کو نصب کرنے کے سوال پر قبیلوں میں ٹھن گئی۔ آپس کے کشت و خون کا سخت خطرہ درپیش تھا۔ ایسے میں طے ہوا جو شخص دوسرے دن سب سے پہلے حرم شریف کے اس دروازے میں سے گزرے وہی اس معاملہ میں انصاف کرے۔ خدا کو اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں اس جھگڑے کو طے کرانا منظور تھا۔ حضور ہی صبح کو سب سے پہلے اس میں سے گزرے اور سب نے بخوشی اس "امین" کے آگے سر جھکا دیا۔ غور کرو کیسی

نوجوانی ہے کہ بڑے بڑے تجربہ کار اور جہاں دیدہ بزرگ جن کے اشاروں پر ہزاروں کا خون بہہ جانے کا سامان پیدا ہو چکا تھا اور وہ خون کے پیالوں میں ہاتھ ڈبو کر قسمیں کھا چکے تھے کہ کسی دوسرے کو حجرِ اسود نہ رکھنے دیں گے سب کے سب حضور کے فیصلے کے منتظر تھے۔ آپ کی خوش تدبیری اور معاملہ فہمی سے یہ مرحلہ اس طرح طے ہوا کہ آپ نے ایک بڑی چادر بچھا کر حجرِ اسود اس پر رکھوا دیا اور سب قبیلوں کے سرداروں کو کہا کہ اسے چاروں طرف سے تھام کر کعبہ میں تعمیر کی جگہ پر پہنچا دو۔ اب سیدی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بہ نفسِ نفیس خود اپنے مبارک ہاتھوں سے اس پتھر کو چادر سے باہر نکالا اور اس کی جگہ پر نصب کر دیا۔ آپ کے اس بہترین فیصلے پر ہر طرف سے صدائے آفرین بلند ہوئی۔

اس واقعہ کے بعد ایک بہت اہم اور خطرناک سازش سے آپ نے اہلِ عرب کو بچایا جس کے نتیجہ میں عرب کا بچّہ بچّہ آپ کو اپنا محسن قرار دیتا ہے۔ ایک عرب نے قسطنطنیہ کے عیسائی بادشاہ کا دین قبول کر کے خراب نیّت سے حجاز کا رُخ کیا اس نے پوشیدہ طور پر کوششیں کیں کہ مکّہ کی حکومت اور باگ ڈور رومی نصرانیوں کے ہاتھ میں دیدی جائے اور وہ اس مقدّس خطہ پر اپنا تسلّط قائم کر لیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حالات کو بھانپ لیا اور نہایت خوش تدبیری اور ہوشیاری سے اس دغابازی کا راز کھول دیا۔ اس کے نتیجہ میں اہلِ عرب نے مناسب کارروائی کر کے اپنی ملکی حفاظت کا انتظام کر لیا۔ اگر آپ ایسا نہ کرتے تو اغلب تھا کہ اہلِ عرب کا قتل و غارت اور حرم کی بے حُرمتی ظہور میں آتی۔ حضور نے حضرت ابوطالب کی قحط کے زمانہ میں اس طرح مدد کی کہ اپنے محسن و مربّی چچا کی کثرتِ عیال کا بوجھ کم کرنے کے لئے اپنے دوسرے چچا عباس کو آمادہ کیا کہ وہ ابوطالب کے ایک بیٹے کو اپنا متبنّیٰ بنالیں اور ایک بیٹے کو خود تربیت کے لئے منتخب فرمالیا۔ جعفر

رضی اللہ عنہ عباس کو مل گئے اور علی (کرم اللہ وجہٗ) کو آپ خود ساتھ لے آئے آپ ایفائے عہد کی ایسی ایسی مثالیں پیش کرتے تھے کہ کبھی سُننے میں نہ آئی ہوں کیونکہ ایک ایماندار تاجر کے محاسن اخلاق کا حصّہ ہے کہ وہ عہد کو پورا کرے اور اتمام وعدہ کرے۔ اظہارِ نبوت سے پہلے ہی کی بات ہے کہ عبداللہ بن ابی الحمسار (ایک صحابی) نے آپ سے خرید و فروخت کا کوئی معاملہ طے کیا اور وعدہ کیا کہ آپ یہاں ٹھہریں میں پھر آکر باقی رقم ادا کردوں گا۔ اتفاق کی بات وہ جاکر بھول گئے۔ تین دن کے بعد ان کو یاد آیا اور وہ دوڑے وہاں پہنچے۔ حضور مسلسل دن رات ان کا وہاں انتظار کرتے رہے۔ آپ نے مطلقاً غصّہ کا اظہار نہ کیا اور صرف اس قدر فرمایا "تم نے مجھے زحمت دی۔ میں اسی مقام پر تین دن سے موجود ہوں"۔

آپ کو خدا نے ہادی و مصلح بنا کر بھیجا تھا۔ حضور انسانی طبائع اور رجحانات سے خوب واقف تھے اور عوام کے قلوب کو اپنی طرف مائل کرنے کا ملکہ آپ کو حاصل تھا۔ چونکہ ساری دنیا کے اخلاقِ فاضلہ کے آپ جامع تھے اس لئے آپ میں خوش طبعی اور مزاح و تبسّم بھی بدرجہ احسن موجود تھا۔ آپ کی ظرافت سنجیدہ اور سچّی باتوں پر مشتمل ہوتی تھی۔ بظاہر خشک موضوع میں بھی حضور کی برکت سے ہنسی مذاق کا پہلو نکل آتا۔ اس سے آپ کا مقصد یہ تھا کہ اپنے ساتھیوں، گھر والوں اور پیروؤں کی دلجوئی ہو اور ان کے دل سے رعب و داب دور ہو۔ اور وہ فرحت محسوس کرکے اپنے فرائض کو زیادہ تندہی سے سرانجام دے سکیں۔ آج نوجوانوں کو اس طرح کی بے داغ دل لگی کو اختیار کرنا چاہیئے کیونکہ فی زمانہ ہر طرف بے چینی اور افراتفری پھیلی ہوئی ہے۔ آگے آنے والے واقعات سے واضح ہو جائے گا کہ آپ کی خوش طبعی اور ہنسی مذاق کا معیار کیا تھا اور ہمیں اس میں

کس کس پہلو کو مدنظر رکھنا ہے۔ سب سے زیادہ یہ ضروری ہے کہ مخاطب کی عزت و احترام بھی قائم رہے اور اس کا دل بھی خوش ہو جائے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اکثر مجھ سے مذاق فرمایا کرتے تھے۔ میں نے عرض کیا، ایسے مذاق پر کچھ مواخذہ تو نہ ہوگا۔ حضور نے جواب دیا۔ "اِنَّ اللّٰہَ لَا یُوَاخِذُ الْمَزَّاحَ الصَّادِقَ فِی مَزَاحِہٖ" (اللہ تعالےٰ اس مزاحیہ کلام کا جس میں جھوٹ شامل نہ ہو کوئی مواخذہ نہ فرمائے گا) اس معیار کے ساتھ چلتے ہوئے آپ کو اپنے گھروں کو اور باہر کام کی جگہوں کو خوش کلامی سے جنت بنا دینا چاہیئے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا۔ صدقہ (خدا کی راہ میں خرچ کرنا) دوزخ سے نجات دلاتا ہے۔ پس تم صدقہ کر کے دوزخ سے بچنے کی سبیل کرو۔ اگر صدقہ نہ کر سکو تو پھر خوش کلامی کے چند کلمات ہی کافی ہیں کیونکہ خوش کلامی بھی صدقہ کے ہم پلّہ ہے۔ ہم میں سے آج کتنے ایسے ہیں جو اپنے گھر اور کنبے والوں۔ اپنے کام کے ساتھیوں اور عام ملنے والوں کے ساتھ خندہ پیشانی سے پیش آتے ہیں۔ اگر یہ عمل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سمجھ کر کیا جائے گا تو اجر ہی اجر ہے۔ دنیاوی برکات اس کے علاوہ ہیں۔ مسلمانوں کے ساتھ زبان لعن طعن دراز کرنا اور سبّ وشتم کرنا سخت گناہ ہے۔ بڑکیں مارنے اور چیخ کر بولنے کا سخت عذاب ہوگا کیوں کہ قرآن عزیز میں گدھے کی آواز کو مکروہ ترین آواز کہا گیا ہے۔ آؤ ہم آج ہی عہد کر لیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خلق عظیم کی پیروی کریں گے۔ اور اپنے میں اوصاف حمیدہ پیدا کریں گے۔ ملکی اور ملّی اتفاق و اتحاد کی صرف یہی ایک راہ کھلی ہے۔ اب حضور کے چند مذاحیہ واقعات پیش خدمت ہیں

★ ایک شخص آپ سے سواری کے لئے اونٹ طلب کرنے آیا تو آپ نے خادموں کو حکم دیا کہ اسے اونٹ کا بچّہ دے دیا جائے۔ وہ کہنے لگا اونٹ کا بچّہ

لے کر کیا کروں گا، مجھے تو یہ سواری کے لئے درکار ہے۔ اونٹ دلوا دیجئے۔ حضور نے فرمایا نہیں تجھے اونٹ کا بچہ ہی دیا جائے گا۔ وہ پریشان ہونے لگا تو حضور نے فرمایا "ارے نادان! آخر اونٹ بھی تو اونٹ کا بچہ ہی ہوتا ہے" اس لطیف مزاح سے سب اہل مجلس نے لطف اٹھایا۔

★ آپ کی پھوپھی صفیہ بہت بوڑھی تھیں۔ آپ سے کہا کہ میرے لئے جنت کے داخلہ کی دعا فرمائیں۔ آپ نے ارشاد فرمایا بوڑھیاں جنت میں نہیں جائیں گی اس پر وہ سخت پریشان ہوئیں اور رونے لگیں۔ آپ نے پوچھا بڑی اماں کیوں روتی ہیں؟ کیا قرآن میں وارد نہیں ہوا کہ بوڑھے اس حالت میں جنت میں نہیں بلکہ جوان ہو کر جائیں گے۔

★ ایک عورت سے آپ نے ازراہ تفنن فرمایا تیرا خاوند وہی ہے جس کی آنکھ میں سفیدی ہے۔ اس نے کہا نہیں حضرت میرے خاوند کی آنکھیں بالکل بے داغ ہیں۔ حضور نے فرمایا تم بھولتی ہو ہر شخص کی آنکھ میں سفیدی بھی ہوتی ہے۔

★ کسی شخص سے آپ نے پوچھا بتاؤ تمہارے ماموں کی بہن تمہاری کیا لگی؟ اس بات اس شخص نے سر جھکا لیا اور سوچ میں پڑ گیا۔ آپ مسکرائے اور فرمایا "ہوش میں آؤ کیا تم اپنی ماں کو بھی بھول گئے ہو؟

★ ایک مجلس میں حضور تحفہ میں آنے والی کھجوریں سب دوستوں سمیت، کھا رہے تھے۔ آپ کے ساتھ ہی حضرت علی رضی اللہ عنہ بیٹھے تھے جو عمر میں سب سے چھوٹے تھے۔ حضور ازراہ مذاق کھجوریں کھا کر گٹھلیاں علیؓ کے آگے ڈھیر کرتے رہے۔ آپ کی دیکھا دیکھی دوسرے صحابہ نے بھی اپنی اپنی گٹھلیاں وہیں رکھنا شروع کر دیں۔ کھانے سے فارغ ہو کر آپ نے فرمایا اچھا بھئی بتاؤ سب

سے زیادہ کھجوریں کس نے کھائیں ؟ صحابہ نے جواب دیا جس کے آگے گٹھلیاں سب سے زیادہ ہوں۔ حضرت علی خاصے ذہین تھے فوراً بول اٹھے نہیں نہیں بلکہ جو گٹھلیوں سمیت کھا گئے ہوں۔ یہ سن کر سب ہنس پڑے۔

★ حضور حضرت انس رضی اللہ عنہ سے بھی بہت محبت اور پیار کرتے تھے جو آپ کے خادم تھے۔ محبت سے انہیں "یا ذالاذنین" اے دو کانوں والے کہا کرتے تھے۔ حضرت انسؓ اس جملے پر بہت ہنسا کرتے تھے اور ان کو حضور کی یہ ادا اور یہ خوش طبعی بہت اچھی لگتی تھی۔

★ حضرت علی رضی اللہ عنہ ایک دن بچپن کے ایام میں روٹھ کر زمین پر لیٹ گئے۔ حضور نے اس حالت میں ان کو دیکھا تو کہا ابو تراب اٹھو۔ ابو تراب کے معنی "مٹی کے باپ" ہیں۔ چونکہ وہ اس وقت مٹی سے لتھڑے ہوئے تھے سننے والوں نے اس سے بہت حظ اٹھایا۔ اس دن سے حضرت علی کے نام کے ساتھ ہمیشہ کے لئے ابو تراب مشہور ہو گیا۔

حضور نے لباس کے معاملہ میں بھی نوجوانوں کے لئے عمل کی راہیں متعین کی ہیں۔ مَردوں کو ریشم پہننا حرام قرار دیا۔ دوسری قوموں اور خصوصاً ان کے مذہبی طبقوں کے لباس کی نقالی کو ممنوع قرار دیا تاکہ اُمت میں خود داری اور عزتِ نفس برقرار رہے۔ ایسا نہ ہو کہ فیشن کی تقلید سے نظریات و کردار میں انحراف پیدا ہو جائے۔ حضور نے جو لباس کا ذوق پیدا کیا ہے اس کا اصل مقصد موسمی تحفظ، ستر، سادگی، لطافت اور نفاست ہے۔ علاوہ ازیں آپ نے ہدایت کی ہے کہ لباس پہننے والے کی مالی حالت کی عکاسی بھی کرتا ہو۔ یہ نہ ہو کہ جس کو خدا نے وافر رزق دیا ہے وہ نہایت ہی معمولی کپڑے پہنے اور خدا کی ناشکری کرے ساتھ ہی ساتھ پُر تکلف لباس سے منع کیا۔ آپ بال بہت سلیقے سے رکھتے

اور کثرت سے تیل کا استعمال فرماتے۔ لوگوں کو پراگندہ مُو دیکھنا پسند نہ کرتے تھے کیونکہ یہ رہبانیت کی نشانی ہے۔ ایک صحابی کی داڑھی کے زائد بال آپ نے خود تراشے تاکہ شائستگی اور صفائی کے تقاضوں سے لوگ غافل نہ ہوں۔ خوشبو آپ کو بہت پسند تھی۔

نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم اسی لئے کامل انسان ہیں کہ اپنی زندگی، اپنی تعلیمات، اپنی حرکت و سکون سے ایسا توازن اور مناسب ترین تناسب ظاہر کرتے ہیں کہ زندگی کا حسن و جمال اپنی خوش بختی پر رقص کرنے لگتا ہے۔ آپ نوجوانوں کو خوش لباس، خوش اخلاق اور خوش باش رہنے کا درس دیتے ہیں اور ان کے کردار میں پاکیزگی، متانت اور خلقِ عظیم کا پرتو دیکھنا پسند فرماتے ہیں۔

توبہ کا دروازہ

درِ توبہ بغیر توبہ ہرگز کھل نہیں سکتا
لہو کا داغ رسمی آنسوؤں سے دھل نہیں سکتا

حضور صلی اللہ علیہ وسلم شوہروں کے لئے نمونہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے زندگی میں گیارہ نکاح کئے۔ ان کی دیگر حکمتیں اور مصالح تو خدا اور اس کے رسول کو معلوم ہیں لیکن چند ایک پر ہم بھی روشنی ڈالیں گے ایک حکمت تو یہ ہے کہ آپ نے شوہروں کے لئے شادی شدہ زندگی کے بہترین نمونے پیش کئے ہیں۔ پہلے آپ ان گیارہ نکاحوں کی مختصر تفصیل ملاحظہ کیجئے۔

۱۔ حضرت خدیجۃ الکبریٰ (رضی اللہ عنہا) سے پہلا نکاح ہوا جس وقت حضور کی عمر شریف ۲۵ سال اور حضرت خدیجہ کی ۴۰ سال تھی۔ خدیجہ نے جو کہ مالدار بیوہ تھیں اپنا تجارتی مال حضور کو دے کر ملک شام بھیجا۔ اس کام کو حضور نے اتنے اعلےٰ طریقے اور سلیقے سے نبھایا کہ بہت زیادہ نفع ہوا۔ کچھ اس سے متاثر ہو کر اور کچھ غیبی بشارت سے جو کہ خدیجہ کو ہوئی آپ سے نکاح کی درخواست کی جو قبول ہوئی۔ اظہار نبوت کے بعد آپ نہ صرف یہ کہ فوراً ایمان لے آئیں بلکہ حضور کی ہر طرح غمخواری کی۔

۲۔ دوسرا نکاح خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد حضور نے پچاس سال

کی عمر میں حضرت سودہ رضی اللہ عنہا سے کیا - ان کی عمر بھی ۵۰ سال تھی - ان کے شوہر حبشہ کو ہجرت کرنے کے بعد انتقال فرما گئے تھے -

۳- آپ کا تیسرا نکاح عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے ہوا جو دراصل منجانب اللہ بشارت کا نتیجہ تھا -

۴- چوتھا نکاح حضرت حفصہ بن عمر رضی اللہ عنہا سے ہوا جو کہ بیوہ ہو کر آپ کے نکاح میں آئیں -

۵- پانچواں نکاح حضرت زینبؓ سے ہوا جو کہ بیوہ تھیں - وہ نکاح کے بعد صرف تین ماہ زندہ رہیں -

۶- اُمّ سلمہؓ قدیم الاسلام تھیں اور بیوہ ہو کر نکاح میں آئیں -

۷- اُمّ حبیبہؓ کا خاوند مرتد ہو گیا تھا - وہ حبشہ میں تھیں کہ خواب میں کسی نے انہیں اُمّ المومنین کہہ کر پکارا - وہ ابھی اس پر حیران ہو رہی تھیں کہ حضور کا پیغام نکاح کے بارے میں پہنچا -

۸- زینبؓ بنت حجش طلاق کے بعد آپ کے نکاح میں آئیں - پہلے آپ حضور کے منہ بولے بیٹے زید کے نکاح میں تھیں - بحکم خدا آپ نے انہیں زوجیت میں لیا تاکہ متبنّٰی (منہ بولے بیٹے) کے حقوق قائم نہ ہو سکیں -

۹- حضرت جویریہؓ بھی بیوہ تھیں اور بہت عابدہ و زاہدہ تھیں -

۱۰- حضرت صفیہؓ جو دو دفعہ بیوہ ہوئی تھیں -

۱۱- حضرت میمونہ بھی بیوہ تھیں اور ان سے حضور کا آخری نکاح ہوا جبکہ آپ کی عمر شریف ۵۹ سال تھی -

حضرت ریحانہ اور حضرت ماریہ آپ کی مِلک یعنی باندیاں تھیں - ریحانہ قبطیہ سے آپ کے فرزند ابراہیم تولد ہوئے جو صغر سنی میں فوت ہو گئے -

بغور دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ یہ سب نکاح حضور نے مشیئت الٰہی کا منشا پورا کرنے کے لئے کئے اور اپنی کسی خواہش کی بنا پر نہیں کئے۔ جوانی کے عالم سے پچاس سال کی عمر تک آپ نے ایک ہی بیوی سے بسر کی جو کہ آپ سے پندرہ سال عمر میں بڑی تھیں۔ آپ نے خود فرمایا تھا کہ مَالِیْ فِی النِّسَاءِ مِنْ حَاجَۃٍ یعنی "مجھے عورتوں کی کوئی حاجت نہیں"۔ آپ کی عمر شریف کا آخری پانچ سال کا زمانہ ایسا ہے کہ ازواج مطہرات سے حجرات آباد ہوئے۔ ان نکاحوں سے مقصود فوائد دین، مصالح ملک اور مقاصد قومی تھے۔ عرب جیسے ملک میں اگر اس وقت ایسا نہ کیا جاتا تو دین وملت کو بہت سی مصلحتوں اور حکمتوں سے محروم ہونا پڑتا اور ایسا کرنا اس مصلح اعظم کی شان سے بعید ہے جسے خدا نے رحمۃ للعالمین بنا کر بھیجا ہو۔ مقام غور ہے کہ حضور اتنے مصروف اور کثیر المشاغل ہونے کے باوجود ازدواجی زندگی کو اس طرح گزارتے ہیں کہ اصلاح معاشرت کا بہترین نمونہ سامنے آتا ہے اور سب ازدواج مطہرات کے ساتھ نہایت اعلیٰ سلوک کی مثال پیش ہوتی ہے۔ دراصل دنیا کے اس خیال باطل کی تکذیب مراد تھی کہ عورت ایک خوبصورت سانپ ہے جو کہ اس قابل ہے کہ اس سے دامن بچایا جائے اور اس کے ساتھ درشتی کا سلوک کیا جائے۔ اس کے برعکس حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں کہ مجھے خداوند تعالےٰ نے حکم دیا ہے کہ میں بیویوں سے محبت کروں اور اپنی رحمتوں سے ایک رحمت یہ کی کہ میرے دل میں اپنی بیویوں سے محبت پیدا کردی۔ بخلاف دوسرے مذاہب کی ہدایات کے ترک دنیا سے خدا نہیں ملتا بلکہ ہم اپنے ہی اہل کے ذریعے سے خدا کو حاصل کر سکتے ہیں۔ آپ نے تردید کی کہ عورت مکر وفریب کی پتلی ہے اور اس سے دوری ہی اچھی ہے اور فرمایا کہ عورت حیا اور وفا کا مجسمہ ہے۔ آپ نے نہ صرف قولاً

بلکہ فعلاً ان امور کو نبھایا ہے۔ سب لوگوں سے اچھا اسے قرار دیا جو اپنی بیوی
(کنبہ) سے اچھا سلوک کرتا ہے اور فرمایا میں تم میں سے بڑھ کر اپنی بیویوں
کے ساتھ اچھا سلوک کرنے والا ہوں۔ آپ شوہر کے لئے ضروری قرار دیتے
تھے کہ وہ اپنی بیوی کے ساتھ خوش مذاقی سے پیش آئے۔ اس کا مزاج شناس
بنے۔ اس کے نازک جذبات و احساسات کا احترام کرے اور اس کی محبت و
دل داری کے طریقے اختیار کرے۔ (ہم میں سے کتنے ایسے ہیں جو ان باتوں
کا خیال رکھتے ہیں؟)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں کے اپنے الگ مکان تھے جنہیں خدا نے
حجرات۔ بیوت النبی اور بیوتکنّ کے ناموں سے فرمایا ہے جو باہم پیوستہ تھے اور
نہایت مختصر اثاثۃ البیت (ضروریاتِ زندگی از قسم فرنیچر) سے مزین تھے۔ آپ
نے ان کے ساتھ کھانے پہننے۔ گذارہ و ملاقات وغیرہ جملہ امور میں مساویانہ سلوک
روا رکھ کر عدل و انصاف کی وہ مثال پیش کی ہے کہ تاریخ عالم میں اس کی نظیر
محال ہے۔ سب بیویوں کے ہاں قیام کی باری مقرر تھی۔ سفر میں روانگی پر
قرعہ اندازی سے جس کا نام آجاتا وہی ساتھ چلی جاتیں۔ پھر آپ کا حُسن سلوک ایسا
تھا کہ گھر میں داخل ہوتے وقت السلام علیکم فرماتے۔ رات کے وقت سلام ایسی
آہستگی کے ساتھ فرماتے کہ بیوی کے آرام میں خلل نہ آئے۔ جاگتی ہو تو سن لے
اور اگر سوتی ہو تو جاگ نہ پڑے۔ ان کی دلداری اور عطوفت کا اتنا خیال تھا کہ گھر
کے کام کاج میں خود ہاتھ بٹاتے۔ اگر کوئی کام حسب منشاء اور وقت پر نہ ہوتا تو
ناراض نہ ہوتے بلکہ نرمی سے سمجھاتے۔ ان کے دکھ درد میں برابر شریک ہوتے۔
اور ان کی خوشی پر اپنی خوشی کا اظہار فرماتے۔ ایسے پیارے و محسن آقا پر قربان
ہونے کو جی چاہتا ہے۔ ذرا دلداری دیکھیے۔ اُمّ حبیبہ رضی اللہ عنہا کے بھائی

ان سے ملنے آئے جس کا نام معاویہ تھا۔ دونوں بہن بھائی بڑے پیار سے باتیں کر رہے تھے۔ حضور نے اُمِّ حبیبہ سے کہا کیا معاویہ تمہیں بہت پیارا ہے؟ انہوں نے کہا ہاں! حضور نے فرمایا اگر یہ تمہیں بہت پیارا ہے تو مجھے بھی بہت پیارا ہے۔

اب غور فرمائیے کہ بیوی کا دل اس جواب کو سن کر کس قدر خوش ہوا ہو گا کہ میرے رشتہ داروں کو غیریت کی نگاہ سے نہیں بلکہ اپنائیت کی نگاہ سے دیکھا جا رہا ہے۔ اس سے خاندانوں میں مہر و محبت بڑھتی ہے۔ جوان بیوی کو طبعاً شوہر کی طرف سے زیادہ محبت کے مظاہرے کی ضرورت ہوتی ہے۔ حضور جو نفسیات کے سب سے بڑے ماہر تھے۔ ان کے مزاج کا خاص خیال رکھتے تھے حضرت عائشہؓ جو عمر میں سب بیویوں سے چھوٹی تھیں کسی برتن میں پانی پی کر فارغ ہوئیں تو آنحضرت نے اس برتن کو اٹھایا اور خاص اسی جگہ سے منہ لگا کر پانی پیا جہاں سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ نے پیا تھا[1]۔ اگرچہ بظاہر ایسی باتیں معمولی لگتی ہیں لیکن یہی باتیں میاں بیوی کے تعلقات پر نہایت گہرا اثر رکھتی ہیں۔ آپ ہی فرماتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن گھر میں بیٹھے اپنی جوتی کی مرمّت کر رہے تھے کہ میں نے آپ کی پیشانی مبارک پر پسینہ آتے دیکھا اور اس کے اندر ایک نور ابھرتا اور بڑھتا ہوا پایا۔ اس نظارے سے میں حیرانی میں آ گئی اور اپنا چرخہ کاتنا بھول گئی۔ حضور کا خیال ادھر ہوا تو پوچھا تم کیوں حیران ہو رہی ہو؟ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ کی پیشانی پر پسینہ اور اس میں چمکتے دمکتے نور کو دیکھ کر حیران ہو رہی ہوں اور میں اسے شاعر ہذلی کے کلام کے مصداق سمجھتی ہوں (آپ نے وہ عربی شعر سنائے)

---

[1] حضور نے مرض الموت میں انہی عائشہ رضی اللہ عنہا کے منہ کی چبائی ہوئی مسواک کی تھی۔

حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے اپنا کام چھوڑ دیا اور اُٹھ کر میری پیشانی کو چوما اور فرمایا جو سرور مجھے تیرے اس کلام سے حاصل ہوا وہ تجھے میرے نظارہ سے نہ ہوا ہوگا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیّت سے ازواج مطہرات کے سینے آلائش سے پاک صاف ہو چکے تھے اگر بتقاضۂ بشریّت کبھی ایسی ویسی بات ہو جاتی تو حضور احسن طریقے سے سلجھا دیتے۔ ایک دفعہ آپ حضرت صفیہ کے پاس آئے تو وہ رو رہی تھیں دریافت کرنے پر انہوں نے کہا "حضرت حفصہؓ نے مجھے طعنہ دیا ہے کہ تو یہودن ہے جبکہ ہم رسول اللہ کی بیویاں ہی نہیں ان کی برادری کی ہم پلّہ بھی ہیں" حضور نے فرمایا واہ یہ بھی کوئی رونے کی بات ہے۔ تم نے کیوں نہ یہ جواب دیدیا کہ میرا باپ ہارون ہے۔ میرا چچا موسیٰ ہے اور میرا خاوند محمّد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہے۔ پھر مجھ سے بڑھ کر کون ہو سکتی ہے۔ اس بات سے صفیہ کا دل خوش ہو گیا۔ بعد میں آپ نے حفصہ کو منع کر دیا کہ آئندہ کسی قسم کا دل دُکھانے والا کلمہ نہ کہنا۔ ایک بار کسی بیوی نے اپنی سوکن کے قد و قامت پر اعتراض کیا اور اس کی ہنسی اڑائی۔ حضور نے اسے بہت ڈانٹا اور فرمایا یہ اس کا مذاق نہیں ہے بلکہ خدا تعالےٰ پر اعتراض ہے جس نے اسے پیدا فرمایا۔ یاد رکھو آئندہ ایسی غلطی کا ارتکاب نہ کرنا ورنہ خدا کے ہاں جواب دہ ہوگی۔ حضور کی ازواج کے درمیان تو سوت کی عداوت کا نام و نشان بھی نہ تھا۔ آپ نے اپنے حسن سلوک اور بے داغ تعلیم سے اس طرح کی عداوت و رقابت کو محبت و الفت میں بدل ڈالا تھا۔ آپ کی ازواج مطہرات ایک دوسرے کی بڑھ چڑھ کر تعریف و توصیف کرتی تھیں۔ یہ کتنی بڑی بات ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا حضرت جویریہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا کے متعلق فرماتی ہیں "میں کسی عورت کو نہیں جانتی جو اپنی قوم کے لیے جویریہؓ سے زیادہ برکت والی ثابت

ہوئی ہو"۔ پھر حضرت زینبؓ کے بارے میں "میں نے کوئی عورت زینبؓ سے بڑھ کر دین میں بہتر نہیں دیکھی۔ وہ خدا کا زیادہ تقویٰ رکھنے والی بہت زیادہ سچ بولنے والی، عزیز و اقارب سے بہت اعلیٰ سلوک کرنے والی اور بہت صدقہ دینے والی تھیں"۔ حضرت عائشہؓ نے حضرت صفیہؓ کے بارے میں فرمایا۔ "میں نے صفیہ جیسی کوئی عورت عمدہ کھانا پکانے والی نہیں دیکھی" اور حضرت سودہؓ کے متعلق "سودہؓ میں اگرچہ ذرا طبیعت کی تیزی تھی ورنہ اور کوئی بھی ایسا نہیں جس کے درجہ میں ہونا مجھے سودہؓ سے زیادہ پیارا ہو"۔ یہ محض حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تربیت اور تعلیم کا اثر تھا کہ اُمہات المومنین آپس میں اتنی اچھی رائے رکھتی تھیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیویوں کے فرائض میں داخل کر رکھا تھا کہ وہ دوسری عورتوں کو دین کی تعلیم دیں۔ گھر گھر توحید و سنت کی اشاعت کریں۔ دوسری عورتوں خصوصاً بدوی قبائل کی ان پڑھ عورتوں کے مسائل اور ضروریات سے حضور کو آگاہ کریں اور پھر ان کے حل اور جوابات ان تک پہنچائیں۔ ذرا غور کرو اگر تبلیغ کا یہ سلسلہ آپ کی ازواج مطہرات سرانجام نہ دیتیں تو عرب کے کونے کونے میں اسلام کیسے پھیلتا۔ آپ کے نکاح کرنے کی یہ حکمت ہی سب پر بھاری ہے۔ ازدواج مطہرات نے پوری توجہ اور محنت سے تبلیغ کا فرض انجام دیا۔ اپنے اپنے حلقہ میں دین کو خوب پھیلایا۔ اپنی اپنی قوم، برادری اور قبیلہ میں عورتوں کو اسلام سکھایا۔ اصلاح رسوم کا فریضہ ادا کیا۔ نشر و اشاعت میں حضور کا ہاتھ بٹایا۔ اُمّ المومنین حضرت اُمّ سلمہؓ نے اپنے حلقہ میں ۳۷۸ حدیثیں سکھائیں۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ علم و تفقہ میں سب سے بڑھ کر تھیں۔ انہوں نے اپنی عمر شریف میں فرزندانِ اُمت کو ۲۲۱۰ حدیثیں تعلیم کیں جو آج بھی کتب احادیث

ہیں موجود ہیں۔ آنحضرت نے ایک بار حضرت عائشہ صدیقہؓ سے کہا حمیرا (آپ ازرہِ محبت کبھی کبھی آپ کو حمیرا کے نام سے بھی پکارتے تھے) تم جب ناراض ہوتی ہو تو میں فوراً تمہارے غصے کو پہچان جاتا ہوں۔ عائشہؓ نے فرمایا حضور میں نے تو کبھی آپ پر اپنے غصے کا اظہار ہونے نہیں دیا پھر آپ میری قلبی کیفیت کو کیسے جان جاتے ہیں؟ فرمایا یہی تو بات ہے کہ اس کے باوجود ہم پہچان جاتے ہیں۔ صدیقہؓ نے اصرار کیا کہ حضور جانِ عالم ذرا مجھے بھی تو پتہ چلے کہ کیسے؟
آپ نے فرمایا جب تم مجھ پر راضی ہوتی ہو تو کسی موقع پر کہتی ہو "مجھے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے خدا کی قسم" اور جب وجہ پر خاش ہو تو پھر یوں کہتی ہو۔ "مجھے ابراہیم کے خدا کی قسم" عائشہ صدیقہؓ ہنس دیں اور کہا واللہ آپ نے خوب پہچانا۔ غور کرنے کے قابل یہ بات ہے کہ سرکار دو عالم نے عورتوں کا درجہ کتنا بلند کر دیا تھا کہ وہ بلا تامل اپنی برہمی کا اظہار کر سکتی تھیں۔ حضور یہ دیکھ کر خوش ہو جاتے کہ میرا مشن کتنا کامیاب ہے کہ صنفِ ضعیف اپنی خودی کو پہچاننے لگی تھی۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی سب بیویوں سے یکساں محبت تھی پھر بھی محبت میں امتیاز ہو ہی جاتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ بعض بیویاں اپنے مخصوص محاسن اور کمالات کی وجہ سے زیادہ توجہ کا مرکز بن جاتی تھیں۔ لطف یہ ہے کہ پھر بھی ہر ایک یہ سمجھتی تھی کہ حضور کی سب سے زیادہ نظر التفات میری ہی طرف ہے۔ واقعات بتاتے ہیں کہ حضور حضرت عائشہ صدیقہؓ کو سب سے زیادہ چاہتے تھے اور یہ امر ان کے حسن و جمال یا کمسنی کی وجہ سے نہیں بلکہ ان کے ذاتی کمالات فاضلہ، تفقہ فی الدین، ضبطِ علم اور ذہانت وغیرہ پر دلیل تھا۔ پھر یہ بات بھی ہے کہ پہلی بیوی خدیجہ (رضی اللہ عنہا) مرحومہ میں بھی یہ خوبیاں موجود تھیں اور اس وجہ سے حضور ان کو اور بھی زیادہ چاہتے تھے۔ ان کی وفات کے بعد ان کی

سہیلیوں سے خدیجہ کا ذکر کرتے کرتے رو بھی پڑتے تھے۔ سہیلیوں کو اکثر تحائف بھیجتے اور ان کی تکریم کرتے کہ وہ بھی خدیجہؓ کی یادگار ہیں۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ حضور کی زندہ بیویوں کے متعلق تو مجھے کبھی رقابت کا جذبہ محسوس نہیں ہوا البتہ مرحومہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے متعلق میرے دل میں بعض اوقات یہ جذبہ پیدا ہونے لگتا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ میں دیکھتی کہ حضور کو اب بھی ان سے بڑی محبت ہے۔ ان کی یاد ان کے دل کی گہرائی میں جاگزیں تھی ایسا ہونا بھی قرین قیاس ہے کہ حضرت خدیجہ نے اس وقت حضور کی دلداری کی جب اظہار نبوّت کی وجہ سے ساری دنیا آپ کی مخالف ہو گئی تھی اور آپ سب سے پہلے ایمان لائیں اور حضور کی تائید کی۔ پھر ایک کے سوا ساری اولاد حضرت خدیجہؓ کے بطن سے ہوئی۔

ایک بار سفر میں ازواج مطہرات بھی ساتھ تھیں۔ ساربانوں نے اونٹوں کو تیز دوڑانا شروع کر دیا۔ آپ کو خواتین کا اتنا خیال تھا کہ ساربانوں سے فرمایا۔ "ذرا دیکھ کر چلو! یہ آبگینے (عورتیں) بھی ساتھ ہیں!"۔ اور یہ کس قدر سچ ہے کہ حضور نے ہمیشہ ان آبگینوں کی نزاکت کا پورا خیال رکھا۔ صنفِ لطیف کے جذبات اور اس کی نزاکتوں کے حضور بہترین رکھوالے تھے۔

تاریخِ عالم اس حسنِ سلوک کی نظیر پیش کرنے سے عاجز ہے جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسّلام نے اپنی بیویوں کے ساتھ کیا۔ اور اپنی گوناگوں مصروفیتوں اور لاتعداد ذمہ داریوں کے باوجود اپنی خانگی زندگی کو جس حسن و خوبی کے ساتھ گزارا۔ جب تک نسل انسانی کا وجود قائم ہے بیویوں سے محبت و الفت، دلداری اور ادائے حقوق و اصلاح و تادیب کا یہ کامل نمونہ شمعِ ہدایت بن کر جگمگاتا رہے گا۔

حضرت صدیقہؓ کے فتاویٰ شرعیہ، علمی مشکلات کے حل اور روایات عربیہ

وغیرہ علوم متفرقہ کا کوئی حد و حساب نہیں۔ حضرت عروہ رضی اللہ عنہٗ فرماتے ہیں کہ میں نے عمر بھر میں معانیٔ قرآن، احکام حلال و حرام اور اشعار عرب و علم الانساب میں حضرت عائشہ صدیقہؓ سے بڑھ کر کسی کو نہیں پایا جب حضور علیہ السلام کے اس دنیا سے پردہ فرمانے کے بعد صحابہ کرام کو کوئی مشکل مسئلہ پیش آجاتا تو وہ حضرت عائشہ صدیقہؓ کی جانب رجوع کرتے اور ان سے شافی حل مل جاتا۔ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی عادت مبارکہ تھی کہ بیویوں کو باتوں ہی باتوں میں تعلیم دیتے تھے۔ یہ اسی لئے تھا کہ وہ آگے اُمّت کو سکھائیں۔ یہ تعلیم صرف گھر کے امور کے متعلق ہی نہیں تھی بلکہ اسلامی و قومی معاملات اور خدمات بجالانے کے متعلق بھی۔ حضرت عائشہؓ کو ان میں قومی خدمت کی جرأت اور سپرٹ پیدا کرنے کی خاطر آپ نے حبشیوں کا فوجی کرتب دکھایا جو کہ وہ مسجد نبوی میں صحابہ کرام کو دکھا رہے تھے۔ عائشہؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اوٹ (پردہ) میں پیچھے سے آپ کے کاندھے مبارک پر ٹھوڑی رکھ کر ملاحظہ کر رہی تھیں۔ ایک دفعہ آپ نے عائشہؓ سے دوڑنے کا مقابلہ کیا۔ وہ آگے نکل گئیں جس سے ان کا حوصلہ بڑھ گیا۔ دوسری بار حضورؐ آگے نکل گئے اور صدیقہؓ پیچھے رہ گئیں۔ اس پر آپ نے مسکراتے ہوئے فرمایا "عائشہ اب اس کا بدلہ اتر گیا"۔

سُبحان اللہ کیا دل لگی ہے کہ اپنی بیویوں کا دل بہلا رہے ہیں اور ان کو حفظانِ صحت اور ہمت و جرأت کا سبق دے رہے ہیں۔ جنگ اُحد میں صدیقہ اور اُمِّ سلمہ کندھوں پر مشکیں لادے زخمیوں کے منہ میں پانی ڈالتی ہیں پانی بار بار ختم ہو جاتا تھا اور پھر بھر کر لاتی ہیں۔ دو جہانوں کے بادشاہ کی بیویوں کا یہ کردار ہے۔ یہ وہی خواتین ہیں جو پردہ نشین ہیں اور پردہ و قومی خدمت دونوں کے آداب کی ماہر ہیں۔ جنگ بدر میں حضور کی پاکباز بیوی ہی

کے دوپٹے کو پرچم اسلام بنایا گیا تھا۔ ایک خاوند کا یہ کام ہے کہ اپنے اوصاف میں اپنی بیویوں کو پوری طرح رنگ دے۔ یہی کام حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کا تھا۔ آپ خود بھی سخی تھے اور آپ کی ازواج بھی۔ حضور کا یہ فرمان سن کر کہ تم میں سے وہ بیوی مجھے جلد آکر ملے گی جو زیادہ سخی ہوگی۔ انہوں نے بڑھ چڑھ کر سخاوت شروع کر دی تھی۔ عائشہؓ فرماتی ہیں ہم سب سے زیادہ سخی زینبؓ ثابت ہوئیں کہ اپنے ہاتھ سے محنت کر کے کمائی حاصل کرتیں اور پھر راہ خدا میں صدقہ کر دیتیں۔ عروہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہؓ کو ایک دن میں ستّر ہزار درہم راہ خدا میں صرف کرتے دیکھا جبکہ اپنا ان کا یہ حال تھا کہ جسم پر پیوند لگا ہوا کرتہ پہنا ہوا تھا۔ کسی نے عرض کی آپ کم از کم اپنا کرتہ تو بنوا لیتیں۔ آپ نے اس کی پرواہ نہ کی۔ ایک دن حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے حضرت عائشہ صدیقہؓ کی خدمت میں ایک لاکھ درہم بھیجے جو انہوں نے سب کے سب اسی دن راہ خدا میں تقسیم کر دیئے۔ آپ کا وہ دن روزہ سے تھا اور روکھی روٹی سے روزہ افطار کیا۔

گھریلو زندگی میں ناراضگی اور خفگی بھی لازمی چیز ہے لیکن حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی زندگی اس طرح کے بہت کم واقعات پیش کرتی ہے اور وہ بھی تعلیم اُمّت کی غرض سے۔ آپ کا حکم ہے کہ جو شخص اپنی بیوی سے ناراض ہو تو اپنا بستر الگ کر لے اور نہ خود گھر سے نکلے نہ بیوی کو نکلنے دے۔ اگر مارنے تک کی نوبت آجائے تو پھر منہ پر نہ مارے مگر بہتر یہی ہے کہ بغیر مار کے اصلاح کر دے عورت ٹیڑھ کی ہڈی کی طرح ہوتی ہے۔ اگر بہ جبر سیدھا کرو گے تو ٹوٹ جائیگی اس کی اصلی حالت پر چھوڑ دو گے تو تنگ کرے گی (لہذا حکمت سے کام لینا

ضروری ہے) ایک واقعہ ایسا ہوا کہ حضور سب بیویوں سے ناراض ہو گئے اور سبھی سے اپنا بستر الگ کر لیا۔ ایک ماہ بعد حضور بحکم الٰہی راضی ہو گئے۔ یہ ناراضگی اور رضامندی سب دینی معاملات پر ہوتی تھی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم

باپوں کے لئے نمونہ

خیر البشر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ایک حیثیت باپ کی بھی ہے۔ آپ کے ہاں تین بیٹے اور چار بیٹیاں تولد ہوئیں۔ پہلے ہم ان کے مختصر حالات بیان کرتے ہیں۔

۱۔ حضرت قاسم جن کے نام پر آپ کی کنیت ابوالقاسم مشہور ہے ابھی چلنا سیکھ رہے تھے کہ خدا کو پیارے ہوئے۔

۲۔ حضرت عبداللہ بعثت نبوت کے بعد پیدا ہوئے۔ ان کا لقب طیب و طاہر تھا۔ آپ ہی کی وفات پر کفار مکہ نے طعنہ زنی کی کہ یہ فرزند بھی فوت ہو گیا اور آپ کا نام لیوا کوئی نہ ہو گا (نعوذ باللہ) اس موقعہ پر خدا نے سورۂ کوثر نازل کی اور دشمنان رسول کو ابتر قرار دیا۔

۳۔ حضرت ابراہیم مدینہ میں ہجرت کے بعد ماریہ قبطیہ کے بطن سے پیدا ہوئے حضور کو اس کی بڑی خوشی تھی لیکن یہ فرزند بھی دو سال کی عمر پا کر راہ گزر عالم بقا ہو گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون ہ

اب حضور کی بیٹیوں کا حال سنیئے۔

۱۔ سیّدہ زینب سب سے بڑی تھیں جو پہلے بیٹے قاسم کے بعد تولد ہوئیں ہوش سنبھالتے ہی آپ نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ ابوالعاص سے شادی ہوئی، دورانِ سفرِ ہجرت ایک کافر کے نیزہ مارنے سے آپ کا حمل ساقط ہو گیا جس سے وہ انتقال کر گئیں۔ ان کی اولاد میں لڑکے علی اور لڑکی امامہ باقی تھے۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو اپنی وفات کے بعد انہی امامہ سے نکاح کرنے کی وصیّت کی تھی جو کہ پوری کی گئی۔

۲۔ سیّدہ رقیہ اس وقت پیدا ہوئیں جب حضور کی عمر شریف ۳۳ سال کی تھی۔ مکہ ہی میں ان کا نکاح حضرت عثمان غنیؓ سے ہوا۔ یہ قول انہی کے متعلق ہر خاص و عام کی زبان پر تھا کہ اَحْسَنَ زَوْجَیْنِ رَاٰهُمَا رُقَیَّةُ وَ زَوْجُهَا عُثْمَانَ۔ یعنی سب سے اچھا جوڑا جو دیکھا گیا ہے ورقیہ و عثمان پر مشتمل ہے۔ ہجرت کے دوسرے سال رقیہ عالم بقا کو سدھار گئیں۔ آپ کے بطن سے جو فرزند تھا وہ بھی گزر گیا۔

۳۔ سیّدہ اُم کلثوم جو حضور کی تیسری دختر تھیں۔ ان کا نکاح بھی حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے جبرئیل علیہ السلام کی وساطت سے خدا کا حکم آنے پر حضرت عثمان غنیؓ سے کر دیا۔ حضرت عثمان کی یہ خصوصیت یکتا ہے کہ حضور کے دو جگر گوشے ان کے نکاح میں آئے۔ اسی لئے آپ کا خطاب ذوالنّورین مشہور ہے

۴۔ سیّدۃ النساء فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا حضور کی سب سے چھوٹی بیٹی ہیں جو اظہارِ نبوّت کے دوسرے سال پیدا ہوئیں۔ یہ حضور کی سب سے پیاری بیٹی تھیں انہیں تمام عالمین کی عورتوں کی سردار کہا گیا اور زندگی ہی میں جنّت کی بشارت دی گئی۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ سے شادی ہوئی اور ان سے دو بیٹے

حضرت امام حسن اور حضرت امام حسین اور دو بیٹیاں اُم کلثوم اور زینب پیدا ہوئیں اُم کلثوم حضرت فاروق کے نکاح میں آئیں۔ سیدہ فاطمۃ الزہرا بعمر ۳۱ سال حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے وصال فرمانے کے ۶ ماہ بعد جنّت کو سدھار گئیں۔

(حضور علیہ السّلام کے نکاح میں آنے والی عورتوں کے سابقہ خاوندوں سے بھی اولادیں تھیں جن کی پرورش اور شادیاں حضور ہی نے کیں اور ان سب سے آپ اپنی اولاد ہی کی طرح محبت اور شفقت کیا کرتے تھے۔ حضور نے باوجود اس قدر ذمہ داریوں کے اولاد کی تعلیم و تربیّت اور خانہ آبادی اس طرح حسن و خوبی سے کی کہ اس کی مثال نہیں ملتی۔ آج کل کے باپ اولاد کی شادی کو سب سے بڑا بوجھ خیال کرتے ہیں محض شادی کی خاطر اپنے مال و منال اور جائیدادوں کو بیچ ڈالتے ہیں اور مفلس و قلاش ہو جاتے ہیں۔ یا پھر قرض کے نیچے ایسے دب جاتے ہیں کہ زندگی بھر رہائی نہیں ہوتی۔ آپ نے بھی بیٹیوں اور بیٹوں کی شادیاں کی تھیں مگر کسی سے ایک پائی قرض نہیں لیا۔ سب کچھ ہوا یعنی دعوتیں اور ولیمے ہوئے، مہر مقرر ہوئے، جن کی ادائیگیاں بھی ہوئیں لیکن کسی کو انگشت نمائی کا موقع نہیں ملا۔ حضور کی تربیّت کے زیر اثر دیگر صحابہ و صحابیات رضوان اللہ تعالےٰ اجمعین کے حالات اور شادیوں کے تذکرے دیکھے جائیں تو معلوم ہو گا کہ کسی نے بھی شادی کے لئے قرض نہیں لیا۔ نہ ہی اس طمطراق اور نمائشی شور شرابے سے شادی کی جیسے ہم پاکستانی مسلمان آجکل کر رہے ہیں۔ حضور ایک مصلح اعظم ہیں۔ انہوں نے زمانہ جاہلیت کی پُر تکلف شادیوں کو سادہ اور بے تکلف شادیوں میں بدل دیا تھا۔ ہم آج ان کے نام لیوا کہلا کر عملی طور پر پھر زمانہ جاہلیت میں داخل ہو چکے ہیں۔ یورپ و امریکہ کی غیر اقوام نے حضور کی سادگی کو اختیار کر لیا ہے اور اپنی شادیوں میں تکلفات کو چھوڑ دیا ہے۔

آنحضرت نے جب اپنی پیاری بیٹی فاطمۃ الزہرا کی شادی کی اس وقت مسلمان بفضل خدا اپنے پاؤں پہ کھڑے ہو چکے تھے اور آپ کے ادنیٰ اشارے پر اشرفیوں کے ڈھیر لگا سکتے تھے۔ اگر آپ چاہتے تو اپنی شہزادی کی شادی اس دھوم دھام سے کرتے کہ نہ صرف سارے عرب بلکہ ایک عالم میں نام پیدا ہوتا۔ بیٹی کو اتنا جہیز دیتے کہ رکھنے کو جگہ نہ ملتی لیکن آپ کا تو مشن ہی دوسرا تھا۔ آپ نے آنے والی نسلوں کے لئے ایک بہترین نمونہ پیش کرنا تھا۔ جب حضرت علیؓ سے نکاح کی بات طے ہوئی تو کیفیت یہ ہے کہ نہ حضور نے بیٹی کے خاطر خواہ جہیز کے لئے کوئی سرمایہ جمع کیا ہے اور نہ ہی علی رضی اللہ عنہ کے پاس ہی کچھ ہے کہ دعوتِ ولیمہ کر سکیں۔ ایک زرہ فروخت کر کے (چار سو درہم) آج کے حساب سے تقریباً دو سو روپے حاصل کئے اور اس سے جہیز تیار ہوا۔ علیؓ کے ایک دوست نے ایک بھیڑ پیش کی۔ چند انصار نے کچھ خرما اور جَو کا دلیا تیار کیا اور سب نے بیٹھ کر خوشی سے ولیمہ کھایا۔ واللہ کتنا پیارا اور کتنا پاکیزہ جذبہ ہے۔ علیؓ فرماتے ہیں کہ جب میری شادی ہوئی تو میرے گھر میں اپنے اور فاطمہؓ کے لئے کوئی بستر نہ تھا۔ صرف ایک کھال تھی جو دن کو مشکیزہ کا کام دیتی اور رات کو بستر کا۔ اسی طرح نکاح قریب تھا تو حضور نے دیکھا فاطمہؓ معمولی لباس میں شرم و حیا سے سر جھکائے اداس سی بیٹھی ہے۔ خیال آیا شاید علیؓ کے افلاس کا خیال کر رہی ہیں کہ میں نے قریش کے بڑے بڑے متموّل لوگوں کو چھوڑ کر علی (رضی اللہ عنہ) کو منتخب کیا ہے۔ اس پر حضور نے فرمایا "اے بتول ملول نہ ہو بخدا میری برادری میں علیؓ سے بڑھ کر کوئی دوسرا نہیں تھا جسے میں تیرا خاوند بناتا۔ اگر علیؓ تنگ دست ہے تو بھی پروا نہیں۔ یہ دنیاوی افلاس صرف چند روزہ ہے۔ عقبیٰ کی کشائش اور فراخی پر نظر رکھو۔ آخرت کے خزانے تمہارے لئے ہیں"۔ فاطمہؓ کا سر تسلیم خم تھا۔

حضور علیہ السلام نے یہ چیزیں روانگی کے وقت اپنے لختِ جگر کو جہیز میں دیں (۱) ایک فرش چرمی (۲) کھجور کی چھال سے بھرا ہوا چرمی تکیہ (۳) ایک مشکیزہ (۴) ایک پیالہ (۵) دو چادریں۔ ایک ریشمی اور ایک سوتی (۶) ایک چکی (۷) دو مٹی کے گھڑے (۸) ایک جائے نماز۔ بعض مورخین نے لکھا ہے کہ دو بازو بند نقرئی بھی تھے۔ بہر حال یہ کل جہیز تھا اور حضرت فاطمہؓ کو ایک عورت کے ساتھ پیدل ہی حضرت علیؓ کے گھر پہنچا دیا گیا۔

سیّدہ رقیہ اور سیّدہ اُمِّ کلثوم کی شادیاں بھی اسی طرح حضرت عثمان غنیؓ سے ہوئیں۔ پھر حضور نے اپنی بیویوں کی پچھلی اولادوں حبیبہ اور درہ کی شادی نیز زینب اور سلمہ کا نکاح اسی سادگی سے کیا۔ یہ خیال غلط ہے کہ شادی پر فضول خرچی کرنا اور باجے گاجے ہونا اولاد سے محبت کی نشانی ہے۔ حضور علیہ السلام کو اپنی اولادوں سے اتنی محبت تھی کہ ہم میں سے کسی کو بھی نہ ہوگی۔ فرق اتنا ہے کہ ہم نمائشی محبت کرتے ہیں اور حضور کا اسلوب جداگانہ تھا۔ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہٗ ابھی بچّے تھے کہ حضور پر سجدہ کی حالت میں سوار ہو جاتے۔ آپ ان کی خاطر سجدہ لمبا کر دیتے اور جب وہ نماز میں آپ کی ٹانگوں سے لپٹ جاتے تو آپ ٹانگوں کو پھیلا دیتے تاکہ وہ دوسری طرف نکل جائیں۔ ایک دفعہ آپ اپنی نواسی امامہ بنتِ زینب رضی اللہ عنہا کو گود میں لئے ہوئے نماز پڑھتے دیکھے گئے۔ اُمّت کی ماؤں کو یہ سبق ہے کہ بچّے کے بہلانے کھلانے نماز چھوڑنا روا نہیں ہے۔ گود میں لیکر بھی نماز پڑھی جا سکتی ہے۔ حضور کو اپنی بیٹی اُمِ کلثوم سے بھی بڑی محبت تھی جو فوت ہو گئیں۔ ان کی یاد سے آپ کی آنکھیں پُرنم ہو جاتیں۔ حضرت اَنسؓ سے مروی ہے کہ ایک بار حضور اُمِّ کلثوم رضی اللہ عنہا کی قبر پر بیٹھے ہوئے تھے اور آپ کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ آپ نے اپنے نواسوں حضرت حسنؓ اور حضرت

حسینؓ کو اکثر اپنے کندھوں پر اٹھایا اور فرمایا "اے خدا میں ان دونوں سے
محبت رکھتا ہوں پس تو بھی ان سے محبت فرما۔ جو کوئی ان دونوں سے محبت کرے
اس سے بھی تو محبت فرما" آپ ایک دفعہ منبر پر خطبہ دے رہے تھے تو حضرت
امام حسینؓ جو ابھی چلنا سیکھ رہے تھے آپ کی جانب افتاں و خیزاں بڑھتے
آئے۔ حضور نے دیکھا تو بتقاضائے محبت منبر سے اتر کر آپ کو اٹھا لیا اور منبر
پر ساتھ بٹھا لیا۔

ایک دن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام مدینے کی گلی میں گزر رہے تھے کہ ایک
بچہ کھیلتا نظر آیا، آپ نے اسے گود میں اٹھا لیا۔ اس کی پیشانی کو بوسہ دیا۔ ایک
صحابی نے پوچھا حضور یہ بچہ کس کا ہے اور کیوں اس کے ساتھ اتنا پیار کر رہے ہیں؟
نبی کریم رؤف و رحیم نے فرمایا یہ لڑکا ایک دن میرے حسینؓ کے ساتھ کھیل رہا تھا اور
ان کے پاؤں کی خاک اس نے اٹھا کر اپنی آنکھوں سے ملی تھی۔ اسی دن سے میں
بھی اسے محبت کی نگاہ سے دیکھنے لگا ہوں کیونکہ جو حسینؓ سے محبت کرتا ہے
وہ مجھے بہت ہی پیارا لگتا ہے۔

حضور چھوٹے بچوں ہی سے پیار نہیں کرتے تھے بلکہ بڑی عمر کی اولاد سے
بھی یکساں محبت کرتے تھے۔ باوجود اس امر کے کہ آپ بہت مصروف ہوتے
تھے اور اپنے فرائض منصبی کو پوری طرح ادا کرتے تھے پھر بھی اولاد کی محبت کے
لئے وقت نکال لیتے تھے۔ آج بہت سے باپ اپنی بزنس اور کاروبار میں ایسے
مگن ہیں کہ بچوں کا کبھی حال تک نہیں پوچھا اور ان کو نوکروں کے رحم و کرم پر چھوڑ
رکھا ہے۔ آپ نے اپنی لخت جگر کے بارے میں فرمایا "فاطمہ میرے جسم کا ایک ٹکڑا
ہے، جو اس کو ناراض کرے گا وہ مجھے ناراض کرے گا"۔

اُمّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ بات چیت میں

فاطمہ سے بڑھ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی بھی مشابہ نہ تھا۔ ان کے آنے پر حضور نبی کریم اٹھ کر آگے بڑھتے اور پیشانی کو چوم لیتے۔ مرحبا مرحبا فرماتے ہوئے ان کو اپنے پاس بٹھا لیتے۔ اسی طرح آپ جب بیٹی سے ملنے جاتے تو وہ بھی اسی طرح ملا کرتی تھیں۔ آپ جب سفر سے واپس آتے تو سب سے پہلے فاطمہ رضی اللہ عنہا کے پاس جاتے اور بعد میں اپنے گھر تشریف لاتے۔ اس سے اولاد کی عزت و تکریم کا سبق ملتا ہے۔ دنیا سے تشریف لے جاتے وقت بھی آپ نے فاطمہؓ کو رازدار بنایا اور پہلے کان میں کچھ کہا اور وہ رونے لگیں۔ پھر بلایا اور کان میں کچھ کہا تو وہ ہنسنے لگیں۔ حضرت عائشہ صدیقہ جو پاس تھیں بہت حیران ہوئیں کہ ایک ہی وقت میں رونے اور ہنسنے کا یہ اجتماع کیسا ہے؟ حضور کے وصال کے بعد فاطمہؓ نے بتایا کہ پہلی مرتبہ آپ نے فرمایا تھا کہ اس مرض میں میں انتقال کرنے والا ہوں اور میں رو پڑی تھی۔ دوسری بار فرمایا کہ خاندان میں سب سے پہلے تم ہی مجھے آکر ملو گی اس پر میں ہنس پڑی اور خوش ہو گئی۔

آج اولاد کی محبت کا غلط مطلب لیا جا رہا ہے۔ بے جا لاڈ اور پیار کی وجہ سے اولاد نالائق بدتہذیب اور جاہل نکلتی ہے۔ اولاد کی صحیح ہمدردی یہ ہے کہ اس کی تعلیم و تربیت اور اصلاح کے راستہ میں کسی بھی رکاوٹ کو حائل نہ ہونے دیا جائے۔ آپ کا طریقہ یہ تھا کہ پیدائش کے وقت ہی سے اولاد کی صحیح تربیت کے درپے ہو جاتے تھے اور آہستہ آہستہ ایسی تعلیم دیتے تھے کہ بچہ سن شعور کو پہنچتے ہی عمر رسیدوں کی طرح دانا ہو جاتے تھے۔ اور جو بات بھی کرتا ایسی جچی تلی کہ بڑے بڑے مدبر بھی حیران ہو جاتے تھے۔ آپ کے وقت میں اس طرح کے تعلیمی ادارے نہیں تھے جو کہ آج موجود ہیں۔ حضور تو باتوں ہی باتوں میں توحید و سنت، عقل و دانش اور تہذیب و تمدن کے سبق پڑھا دیتے تھے۔

جب بچہ پیدا ہوتا تو معاً اس کے کان میں اذان اور تکبیر کہلائی جاتی جو کہ توحید و رسالت کا پہلا سبق ہے۔ زاں بعد اس کے دل پر اثر ڈالنے والی اچھی باتیں کی جاتیں، ممنوعات اور بے شرمی کی باتوں سے سختی کے ساتھ روکا جاتا۔ اُمورِ حسنہ کے بارے میں تحریص و ترغیب ایسے پیرائے میں دلائی جاتی کہ یہ باتیں دماغ پر نقش ہو جاتیں۔ مندرجہ ذیل واقعات اس کی وضاحت کرتے ہیں۔

۱۔ امام حسن اور امام حسین رضوان اللہ تعالےٰ ابھی کمسن بچے ہی تھے کہ ان میں باہمی جھگڑا ہو گیا۔ اپنی امی کے پاس پہنچے تو ایک نے کہا اس نے مجھے مارا ہے دوسرے نے کہا اس نے مجھے مارا ہے۔ حضرت فاطمۃ الزہرا نے فرمایا کہ مجھے کیا معلوم کہ کس نے پہلے مارا ہے۔ میں تو کہتی ہوں تم دونوں نے حکم الٰہی کے خلاف ورزی کی ہے کہ لَا تُفْسِدُوْا فِی الْاَرْضِ ؕ (زمین پر دنگہ فساد نہ کرو) مگر تم لڑتے جھگڑتے ہو۔ دونوں نے حکم عدولی کی ہے معافی مانگو۔ چنانچہ وہ اسی وقت اپنا جھگڑا تو بھول گئے۔ بارگاہِ الٰہی سے معافی مانگنے کے لئے تیار ہو گئے تاریخ اس بات کی گواہ ہے کہ اس واقعہ کے بعد امام حسنؓ اور امام حسینؓ میں کبھی لڑائی نہیں ہوئی۔

۲۔ امام حسین حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے تھے کہ بیت المال کے لئے صدقہ کی کھجوریں آئیں۔ امام حسین نے بھولے پن میں ایک کھجور منہ میں ڈال لی۔ حضور نے فوراً ان کے منہ میں انگلی ڈال کر فرمایا "کخ کخ"، کیا تم نہیں جانتے کہ ہمارا خاندان صدقہ نہیں کھایا کرتا؟ بچے نے کھجور اُگل دی۔ وہ دن تھا کہ پھر بھولے سے بھی کبھی کسی چیز کو ہاتھ نہ لگایا۔ جب آپ نے یا والدین نے کچھ دے دیا کھا لیا ورنہ آنکھ اٹھا کر بھی کسی چیز کی طرف نہ دیکھا۔ سُبحان اللہ کیسی تربیّت ہے۔

۳۔ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہما کو صرف سات سال نانا جان کے زیرِ سایہ

تعلیم و تربیت ملی اور آپ نے وہ کچھ حاصل کیا کہ بڑے بڑے لوگ حاصل نہ کر سکے۔
حضور علیہ السلام نے ایک دفعہ پوچھ لیا کہ بتاؤ بیٹا مرتبہ ہمارا بڑا ہے یا تمہارا؟
حسینؓ نے تامل فرمایا۔ دوبارہ پوچھنے پر عرض کیا۔ اگر بے ادبی نہ خیال کی جائے
تو کہوں گا کہ مرتبہ ہمارا ہی بڑا ہے۔ آپ نے پوچھا وہ کس طرح ؟ عرض کیا نانا جان
ذرا خیال فرمائیں ہمارے باپ علی (رضی اللہ عنہ) ہیں جن کے متعلق جناب ہی
کا ارشاد ہے کہ اَنْتَ مِنِّی بِمَنْزِلَۃِ ھَارُوْنَ مِنْ مُّوسٰی یُحِبُّ
اللہَ وَرَسُوْلَہٗ وَ یُحِبُّہُ اللہُ وَرَسُوْلُہٗ۔ ایسے آپ کے باپ کہاں تھے؟
میری ماں کے متعلق آپ کا فرمان ہے۔ فَاطِمَۃُ بِضْعَۃٌ مِّنِّی۔ ایسی آپ کی
والدہ کہاں؟ اور جیسے ہمارے نانا پیغمبر آخر الزمان محمدؐ الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
ہیں ایسے آپ کے نانا کہاں تھے؟

ایک کم عمر کی زبان سے یہ دلائل سن کر حاضرین حیران رہ گئے اور حضور بھی مسکرا کر خاموش ہو گئے۔

۴۔ حضرت امام حسنؓ بھی بہت ذہین وفطین تھے۔ ایک بار حضرت علیؓ کی
خدمت میں ایک شخص چھری کے ساتھ پیش کیا گیا جو کسی ویران مکان سے پکڑا گیا
جہاں ایک لاش خاک و خون میں تڑپ رہی تھی۔ ملزم نے اقبال جرم کر لیا اور
قصاص کے فیصلے کا اعلان بھی ہو گیا۔ اچانک ایک اور شخص دوڑتا ہوا آیا اور اس
نے خلیفۂ وقت کے سامنے اپنے جرم کا اقرار کیا۔ حضرت علی مرتضیٰ نے پہلے سے پوچھا
تم نے کیوں اقرار کیا۔ اس نے کہا جن حالات میں میری گرفتاری ہوئی ان میں میرا
انکار میرے خیال میں مجھے بچا نہ سکتا تھا۔ میں قصاب ہوں، جائے وقوعہ کے قریب
بکرا ذبح کر کے فارغ ہوا تو مجھے پیشاب کی حاجت ہوئی۔ پیشاب کر کے اٹھا تو
میں نے قریب ہی آدمی کی لاش دیکھی۔ اسی وقت لوگ آ گئے اور مجھے گرفتار کر لیا

گیا۔ یہ خیال کرکے کہ ان لوگوں کے بیانات کے سامنے میرا اعتبار نہ ہوگا میں نے اقبال جرم کرلینا ہی بہتر خیال کیا۔

دوسرے آنے والے اقبالی مجرم سے پوچھنے پر اس نے بیان کیا کہ میں ایک غریب و مفلس اعرابی ہوں۔ مال کے طمع میں مَیں نے اس کو قتل کر ڈالا۔ جب لوگوں کے آنے کی آہٹ سنی تو میں ایک گوشہ میں جا چھپا۔ اتنے میں پہلا آدمی پکڑا گیا۔ اس کا فیصلہ سن کر میرے دل نے مجھے ملامت کی اور میں نے اپنے جرم کا اقبال کرلیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے پاس بیٹھے ہوئے شہزادے حضرت حسن کی طرف دیکھا اور ان کی رائے طلب کی۔ آپ نے فرمایا امیر المومنین! یہ کوئی ایسا اہم واقعہ معلوم نہیں ہوتا۔ ان دونوں کو چھوڑ دینا چاہیئے۔ حضرت علی نے پوچھا آخر کیوں؟ امام حسن نے عرض کیا پہلا ملزم تو ظاہر ہے بے گناہ ہے۔ دوسرے کو اس لئے چھوڑ دینا چاہیئے کہ اگر اس نے ایک کو ہلاک کیا ہے تو دوسرے کی جان بھی بچائی ہے۔ قرآن حکیم میں ہے کہ وَمَنْ اَحْيَاهَا فَكَاَنَّمَا اَحْيَا النَّاسَ جَمِيعًا ط "جس نے کسی کی جان بچائی گویا سارے انسانوں کی جان بچائی"۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس دلیل کی داد دی اور مشورہ قبول فرماتے ہوئے دوسرے ملزم کو بھی چھوڑ دیا۔ اور مقتول کا خون بہا بیت المال سے ادا کر دیا۔ یہ سب حضور کی تربیت کے اثرات تھے۔

۵۔ حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کو جو شرم و حیا کی اعلیٰ تعلیم دی گئی تھی اس کا اثر تھا کہ آپ نامحرموں پر نظر نہیں ڈالتی تھیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک دفعہ فاطمہؓ کے ہاں تشریف لائے۔ پیچھے ایک نابینا صحابی بھی ساتھ تھے۔ ان کے اندر آتے ہی فاطمہ دوڑی دوڑی اپنی کوٹھڑی میں چلی گئیں۔ جب وہ صحابی اپنے کام سے فارغ ہوکر واپس چلے گئے تو حضور نے فرمایا۔ بیٹی وہ تو نابینا ہیں پھر تم کیوں

بھاگ گئیں ؟ آپ نے جواب دیا۔ ابا جان وہ اندھے تھے لیکن میں تو اندھی نہ تھی کہ غیر محرم کو دیکھتی۔ آج ہم میں سے کتنے ایسے ہیں جو نامحرم کی طرف نگاہ کرنے سے بچتے ہیں ؟ اگر فاطمۃ الزہرا سے محبت کا دعوٰے ہے تو مردوں کو غیر عورتوں سے اور عورتوں کو غیر مردوں سے نظر بچانی چاہیئے ۔

۶۔ تعلقات زن و شوہر میں اکثر کمی و بیشی ہوتی رہتی ہے۔ حضور نے خاوندوں کو حکم دیا ہے کہ بیویوں کے ساتھ بہترین سلوک کریں اور جو خود کھائیں انہیں کھلائیں۔ اگر خود اچھا پہنیں تو انہیں بھی اچھا پہنائیں۔ ساتھ ہی عورتوں کو بھی تاکید کی گئی ہے کہ شوہروں کی فرمانبرداری میں کوتاہی نہ کریں۔

ایک دفعہ کسی وجہ سے ناراض ہو کر حضرت فاطمہ اپنے میکے چلی آئیں۔ آنحضرت نے پوچھا بیٹی کیونکر آئیں۔ آپ نے اپنے والد مکرم سے ساری بات بیان کر دی کہ حضرت علی نے مجھے یہ یہ کہا، اس لئے میں ادھر چلی آئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ بیٹی مناسب یہی ہے کہ تم حضرت علی کے گھر چلی جاؤ اور ان سے معذرت چاہو۔ بخدا اگر تم آج ہی فوت ہو جاؤ اور علی تم سے ناراض ہوں تو میں تمہارا جنازہ نہ پڑھوں گا۔ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ عورت مرد کے درمیان رنجشیں ہو جایا کرتی ہیں۔ ضروری نہیں کہ مرد سارے کام عورت کی منشا کے مطابق ہی کرے۔ یہ سن کر سیدہ فاطمہ خاموشی سے اٹھیں اور اپنے گھر چلی گئیں۔ جب حضرت علی کو اس ساری بات کا علم ہوا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مصالحانہ جواب کا اتنا اثر ہوا کہ انہوں نے قسم کھالی کہ اب کبھی بھی ایسا طرز عمل اختیار نہ کروں گا جس سے فاطمہ کو تکلیف پہنچے یا ان کی دل شکنی ہو۔ ذرا غور کریں وہ مسلمان جو اپنی شادی شدہ بیٹیوں کی ناجائز پشت پناہی کرتے ہیں اور ان کی عمریں تباہ کر لیتے ہیں اگر حضور کی تعلیمات پر عمل کریں تو معاملات کیسی خوش اسلوبی سے طے کر سکتے ہیں۔

۷۔ حضرت علی فرماتے ہیں وہ فاطمہ جو حضور کی لاڈلی بیٹی تھیں میرے گھر آئیں تو چکی پیس پیس کر ہاتھوں میں نشان پڑ گئے۔ مشک اٹھا اٹھا کر گردن پر داغ پڑ گئے جھاڑو دے دے کر کپڑے میلے ہو گئے۔ ایک دفعہ حضور کے پاس چند خدام آئے تو میں نے فاطمہ کو بھیجا کہ اپنے لئے ابا حضور سے ایک خادم مانگ لاؤ۔ فاطمہ گئیں لیکن شرم کے مارے عرض مدّعا نہ کر سکیں اور واپس آگئیں۔ اگلے روز حضور خود تشریف لائے اور پوچھا کہ کیا ضرورت تھی۔ وہ چپ رہیں علی نے کہا میں عرض کرتا ہوں۔ چکی پیستے پیستے ان کے ہاتھوں پر نشان پڑ گئے ہیں اور مشک اٹھاتے اٹھاتے گردن۔ میں نے جب دیکھا کہ حضور کے پاس چند خادم آئے ہیں تو میں نے ہی ان کو آپ کی جانب بھیجا تھا کہ ایک خادم مانگ لائیں تاکہ اس تکلیف سے رہائی ہو۔ اس پر حضور نے فرمایا۔

"اے فاطمہ! تقویٰ اختیار کرو۔ فرائض الٰہی ادا کرو۔ اپنے کنبہ کے اعمال کو اپنا دستور بناؤ اور جب بستر خواب پر لیٹو تو ۳۳ بار سبحان اللہ ۳۳ بار الحمد للہ اور ۳۴ بار اللہ اکبر پڑھ لیا کرو۔ یہ عمل تمہارے لئے خادم سے بہتر ہے۔"

حضرت فاطمہ نے عرض کیا میں اللہ سے اور اس کے رسولؐ سے راضی ہوں۔ اس طرح یہ کلمے جو تسبیحات فاطمہ کہلائے ساری اُمت کو تعلیم ہوئے۔ دوسری حدیثوں میں ان کلمات کا ہر نماز کے بعد پڑھنا آیا ہے۔ اس عادت کا بہت فائدہ ہے۔ زندگی کی مشقتیں اور سختیاں آسان ہوتی ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنی پیاری اور لاڈلی بیٹی کے لئے اس دنیا کے مال و منال اور جاہ و حشم سے بیزاری کا اظہار بہت معنی رکھتا ہے۔ ایک باپ کی نظر اولاد کی ایسی تربیت پر ہوتی ہے جو اسے آخرت کی کامیابیوں اور کامرانیوں

سے ہمکنار کرے اور اس دنیائے ناپائیدار کی زندگی باوجود تکالیف کے زہد وریاضت اور تمہید و تسبیح میں گذر جائے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم شہریوں کے لئے نمونہ

انسان کی مجلسی اور شہری زندگی وہ آئینہ ہے جس میں کسی کردار کے خدوخال پوری طرح واضح ہوتے ہیں۔ باوجود اعلےٰ منصب اور مقتدر حیثیت کے عوام کے ساتھ حسنِ سلوک، احترام آدمیّت اور رحمت و شفقت کا برتاؤ کرنا حضور ہی کا کام تھا۔ آپ بیک وقت حاکم۔ جج۔ امام۔ جرنیل۔ طبیب اور عابد تھے اور عوام النّاس کے ساتھ میل جول اور نشست و برخواست میں کوئی عار نہیں سمجھتے تھے حالانکہ آج جس شخص کو بھی معمولی سا عہدہ مل جائے اس کا دماغ اتنا اونچا ہو جاتا ہے کہ مساویانہ سلوک تو ایک طرف رہا، غربا کو قریب نہیں پھٹکنے دیتا وہ اپنی جیسی اونچی سوسائٹی ہی سے وابستہ ہو کر رہ جاتا ہے اور اس بات کو فخریہ بیان کیا جاتا ہے۔ حضور علیہ السلام کا طرزِ عمل اس کے بالکل خلاف تھا۔ آپ عدالت کے وقت عدالت کرتے۔ لڑائی کے وقت سپہ سالار بن جاتے۔ رُشد و ہدایت کے موقع پر وعظ و تلقین کرتے۔ نماز کے وقت امامت فرماتے اور ان تمام مصروفیتوں سے اہتمام کے ساتھ وقت نکال کر عام مسلمانوں میں آتے اور ان

کے حقوق کی نگہداشت فرماتے۔ ہمسایوں، محلہ داروں اور شہریوں سے مل کر ان کی ضروریات دریافت کرتے۔ بیماروں کی عیادت فرماتے۔ حتیٰ کہ تمام اہلِ شہر سے قریبی تعلقات رکھتے۔ اسی لئے کہا گیا ہے کہ ع

مصیبت میں غیروں کے کام آنے والا
وہ اپنے پرائے کا غم کھانے والا

آج ہم میں کتنے امراء، حاکم اور صاحب اقتدار ایسے ہیں جو زبانی نہیں عملی طور طور پر غرباء کے زخموں پر مرہم رکھتے ہیں۔ ان کے دکھ درد میں شریک ہوتے ہیں اور ان کی واقعی دادرسی کرتے ہیں؟ آج اگر معمولی سا بھی فلاحی کام کرنے کا اعلان کیا جاتا ہے تو اسے تصاویر اور خبروں کے ذریعے سے خوب خوب نشر کیا جاتا ہے اور اکثر وہ شرمندۂ تکمیل ہونے سے رہ جاتا ہے۔ حضور صادق الوعد و امین تھے اور آپ کا ہر وعدہ مکمل طور پر ایفا ہوتا تھا۔ غیر مسلموں سے بھی آپ کے شہری تعلقات یکساں طور پر قائم تھے۔ آپ عموماً یہودیوں کے پاس اپنی زرہ گروی رکھ کر قرضہ لیتے اور رقم کو راہِ خدا میں خرچ کر دیتے۔ ایسے واقعات سے پتہ چلتا ہے کہ آپ کے تعلقات بحیثیت ایک شہری کے تمام قوموں سے قائم تھے۔ ہم چند واقعات بیان کرتے ہیں جو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حیثیت کو واضح کرتے ہیں۔

۱۔ آپ نے ایک یہودی سے قرضہ لیا اور وہ مقررہ میعاد سے پہلے ہی روپیہ وصول کرنے پر بضد ہو گیا۔ اس نے آپ کی چادر پکڑ لی اور سخت سست کہنے لگا۔ اسی وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہٗ تشریف لے آئے۔ انہوں نے اس گستاخی پر یہودی کو مارنے کے لئے ہاتھ اٹھایا ہی تھا کہ حضور نے منع کر دیا اور فرمایا کہ عمر تمہارا یہ حق نہیں کہ اسے مارو۔ البتہ اسے کہتے کہ مقررہ میعاد سے

پہلے تمہارا مطالبہ درست نہیں اور مجھے کہتے کہ جہاں تک ہو سکے ادائیگی کی جلد فکر کریں۔ جب یہودی نے آپ کی یہ نرمی اور اخلاق دیکھا تو وہ حیران رہ گیا۔ اسی وقت اس نے کلمہ پڑھا اور دائرہ اسلام میں داخل ہو گیا۔ حضور نے نے حاکم ہوتے ہوئے بھی اخلاق حمیدہ سے کام لیا اور یہ بھی کی تبلیغ کا ایک انداز تھا۔

۲۔ ایک منافق سے حضور کو اور صحابہ کرام رضوان اللہ تعالےٰ اجمعین کو بہت اذیتیں پہنچی تھیں۔ اس کا موت کا وقت آگیا۔ جب وہ مر گیا تو اس کے بیٹے نے خواہش کی کہ حضور نماز جنازہ پڑھائیں۔ آپ فوراً تیار ہو گئے۔ جن رفیقوں کے ساتھ مرنے والے نے سختی کا برتاؤ کیا ہوا تھا انہوں نے عرض کیا آپ ایسا نہ کریں اور وہ آیت آپ کو یاد دلائی جس میں خدا نے فرمایا ہے کہ آپ منافقوں کے واسطے ستّر بار بھی دعا کریں گے تو خدا ان کو نہ بخشے گا۔ آپ نے کہا خدا تعالےٰ نے ستّر بار فرمایا ہے میں ستّر سے زیادہ مرتبہ دعا کروں گا تاکہ خدا تعالےٰ اُسے بخش دے۔ الغرض آپ اس کے جنازہ میں شریک ہوئے بلکہ اس کے کفن کے لئے اپنا کرتہ بھی مرحمت فرمایا۔ سُبحان اللہ! دشمن کے ساتھ اس طرح احسان کرنے کی مثال دنیا میں نہیں ملتی۔

۳۔ جیساکہ ہم پہلے بیان کر آئے ہیں آپ کا حُسنِ سلوک تمام شہریوں کے ساتھ بلا امتیاز مذہب و مشرف یکساں تھا۔ کسی کی دل شکنی یا دل آزاری نہ کرتے تھے۔ حتیٰ کہ غیر مسلموں کی میزبانی بھی خود کرتے تھے۔

ایک صحابی کا بیان ہے کہ ابھی میں ایمان نہیں لایا تھا کہ حضور کے پاس آکر کہا میں آپ کا مہمان ہوں۔ آپ نے بڑی خندہ پیشانی کے ساتھ میرا استقبال کیا۔ مجھے گھر لے گئے۔ کھانے کو کچھ موجود نہ تھا۔ بکری کھڑی تھی،

اس کا دودھ دوہا اور مجھے دیا۔ میں سارا پی گیا۔ آپ نے پوچھا اور ؟ میں نے کہا ہاں، آپ نے دوسری بکری کا دودھ نکالا۔ میں وہ بھی پی گیا۔ پھر تیسری کا نکالا اور میں سب کا سب پی گیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ کاشانۂ نبوّت کے سارے افراد اس دن بھوکے رہے۔

صحابی فرماتے ہیں کہ میں اس رویہ سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسّلام کا غصہ دیکھنا چاہتا تھا۔ مگر خدا کی قسم آپ کے ماتھے پر شکن تک نہیں پڑا۔ کشادہ دلی سے مجھے دودھ پلاتے رہے بلکہ دل میں خوش ہو رہے تھے کہ شکر ہے مہمان راضی ہو گیا۔ اس کے بعد میں ایمان لے آیا۔

۴۔ ایک شخص مسجد نبوی میں جھاڑو دیا کرتا تھا وہ بیمار ہو گیا تو حضور کئی بار اس کے گھر عیادت کے لئے گئے۔ حالانکہ وہ بہت ہی غریب اور بے آسرا تھا۔ ایک رات کو وہ فوت ہو گیا اور لوگوں نے خود ہی اس کا جنازہ پڑھ کر اسے دفن کر دیا۔ صبح کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کا کیا حال ہے؟ عرض کیا گیا وہ تو فوت ہو گیا۔ رات کے وقت ہم نے آپ کو تکلیف دینی نہ چاہی اور اسے دفن کر دیا۔ آپ نے کہا تم نے اچھا نہیں کیا مجھے پتہ دینا چاہیئے تھا میں ضرور اس کے جنازہ میں شریک ہوتا۔ آپ اٹھے اور اس کی قبر پہ تشریف لے گئے غور کرو کس قدر شفقت ہے۔ مرحوم کے وارث حضور کے اس سلوک سے بہت متاثر ہوئے۔

۵۔ آپ نے ایک بار حضرت ابوذر انصاری رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ بہترین شخص وہ ہے جس کا ہمسایہ اس سے خوش ہو اور اسے کبھی ایذا نہ پہنچائی ہو۔ اے ابوذر حقوق ہمسائگت کا خیال رکھنا جب تم شوربہ پکاؤ تو اس میں اور پانی ڈال دو تاکہ اس میں سے ہمسایوں کو بھی دے سکو۔ آپ خود

آنے والے تحفے تحائف میں سے اپنے ہمسایوں کو ضرور بھیجتے۔ فرمایا جبریل علیہ السلام مجھے ہمسایوں کی طرف ضرور توجہ دلاتے ہیں اور ان کے حقوق کی اتنی تاکید کرتے ہیں کہ مجھے خیال پیدا ہو گیا کہ کہیں انہیں میرا وارث ہی نہ بنا دیا جائے۔

۶۔ شہر میں سامان خریدنے کے لئے جو بدّوی یا دیہاتی آتے تھے حضور خرید و فروخت میں ان کی معاونت کرتے تھے۔ اکثر وہ لوگ آپ کے لئے گاؤں کی کوئی چیز بطور تحفہ لے آتے اور آپ ان کی واپسی پر خود بھی شہر کی کوئی چیز بطور تحفہ ان کو دیتے۔ آپ ہر ایک سے خود مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھاتے۔ جب تک وہ خود ہاتھ نہ کھینچ لیتا آپ اپنا ہاتھ نہ کھینچتے۔ ہر امیر غریب سے یہی سلوک ہوتا ایک واقعہ سنئیے :۔ صحرا کا ایک بدّو آپ کے لئے تحفے لایا کرتا تھا۔ واپسی پر حضور بھی اسے تحفے دیا کرتے تھے۔ وہ آپ کو بہت پیارا تھا۔ ایک دفعہ وہ بازار میں اپنی چیزیں بیچ رہا تھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور پیچھے سے آکر کولی بھر لی۔ اس نے کنکھیوں سے دیکھا کہ رسول اللہ ہیں اور اپنی پیٹھ حضور کے سینے سے چپکا دی۔ آپ نے آواز دی، ہے کوئی جو اس غلام کو خریدے؟ بدّوی نے کہا یا رسول اللہ میں تو کھوٹا مال ہوں مجھے کون خریدے گا (در اصل وہ کچھ بدصورت بھی تھا) اس پر حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ نہیں نہیں! اللہ کے نزدیک تم کھوٹا مال نہیں ہو۔ غور کیجئے آپ کے اس حسن سلوک سے اس کے دل کو کتنی فرحت حاصل ہوئی ہوگی۔

۷۔ اپنے دوست احباب کا ادب و احترام ایسا کرتے تھے کہ مثال نہیں ملتی۔ ایک بار آپ ایک صحابی کے ساتھ کنویں پر تشریف لے گئے۔ غسل کے ارادے سے پردہ کا انتظام اس طرح کیا کہ صحابی نے چادر کی آڑ کی اور آپ

نے غسل فرمایا۔ پھر فارغ ہو کر کہا کہ اب تم نہاؤ میں پردہ کئے دیتا ہوں۔
وہ صحابی بہت حیران ہوئے انہوں نے ہر چند یہ عرض کیا کہ حضور تکلیف نہ
فرمائیں مگر آپ نہ مانے اور جب تک وہ صحابی غسل سے فارغ نہ ہوتے نبی کریم
صلی اللہ علیہ وسلم چادر سے پردہ کئے کھڑے رہے۔ کتنے خوش قسمت صحابی
تھے کہ خود محبوبِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے پردہ کر کے غسل کرنے میں مدد دی
سینکڑوں واقعات شاہد ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے دوستوں
پڑوسیوں، اہلِ محلّہ اور شہر والوں سے محبت و شفقت کا سلوک کرتے تھے۔
ایک شہری کے لئے ازبس ضروری ہے کہ وہ سب کے حقوق کی نگہداشت
کرے اور ہر ایک سے اعلیٰ ترین اخلاق سے پیش آئے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم
تاجروں کے لئے نمونہ

(نبی کریم رؤف رحیم صلی اللہ علیہ وسلم نے بچپنے ہی میں اپنے لئے جو کام پسند کیا وہ تجارت اور کاروبار تھا) آپ کے والد حضرت عبداللہ بھی تجارت ہی کی غرض سے سفر میں تھے کہ واپسی پر مدینے میں انتقال فرمایا جس کے دو ماہ بعد ہی حضور کی پیدائش ہوئی۔ آپ کے جوان ہونے پر چچا ابو طالب تجارت کے لئے اپنے ساتھ ملک شام لے گئے۔ وہیں بحیرہ راہب والا قصّہ پیش آیا۔ جب چچا کو بحیرہ نے بتایا کہ یہ بچّہ دنیا کا سردار اور امام ہونے والا ہے تو انھوں نے مصلحتِ وقت کی بنا پر آپ کو بصرہ سے ہی واپس مکہ بھیج دیا) پھر آپ خدیجۃ الکبریٰ کا مال لے کر شام کو تجارت کی غرض سے تشریف لے گئے اور نہایت اعلےٰ کارکردگی اور حسنِ معاملت کا ثبوت دیا۔ بعد میں خدیجہ جن کا لقب "طاہرہ" تھا ان کا نکاح دُنیا کے "امین" سے ہو گیا جو کہ تاجرانہ زندگی کی ایک بہترین مثال ہے اور دیانتدارانہ کاروبار کی یہ شمع قیامت کے لئے روشنی فراہم کرتی رہے گی۔

دراصل اس زندگی میں انسانوں کو ہر آن اور ہر لمحہ ایک دوسرے کے ساتھ لین دین اور معاملہ فہمی کا واسطہ پڑتا ہے۔ بہترین اخلاق اور عمدہ ترین کردار کا تقاضا ہے کہ انسان معاملے کا صاف ہو، دوسروں کے حقوق کا محافظ ہو کسی پر ظلم روا نہ رکھے۔ اپنے جائز حق سے زیادہ لینے کی خواہش اور کوشش نہ کرے کاروبار میں دوسرے کے ساتھ اس طرح کا برتاؤ کرے کہ وہ مطمئن ہو جائے اور اسے کسی قسم کی شکایت نہ ہو۔ وعدے ایفا کئے جائیں۔ ہمیشہ سچ بولا جائے۔ انسانیت کی تاریخ میں یہ کچھ اگر کسی نے عملی طور پر پیش کیا ہے تو وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہے۔ آپ نے منصب نبوت پر فائز ہو کر بھی تجارت کا خیال نہیں چھوڑا۔ اکثر تاجروں کے ساتھ اپنا حصہ رکھتے تھے اپنے دوستوں کو بھی تجارت کی ترغیب دلاتے تھے۔ تجارت کے اصولوں کی تبلیغ کرتے تھے۔ اس کے فضائل ذہن نشین کراتے تھے مگر خیال رہے کہ آپ مال اس لئے حاصل کرتے تھے کہ سارے کا سارا راہ خدا میں خرچ کر دیا جائے۔ جب پاس کچھ نہیں ہوتا تھا اور سوالی آجاتا تھا تو اپنی کوئی چیز رہن رکھ کر بھی اس کا سوال پورا کر دیتے تھے۔

(جب سرور کائنات خود تاجروں کے لئے بہترین نمونہ تھے تو آپ کے ساتھی اور اصحاب کب پیچھے رہنے والے تھے۔ آپ کے جانشین یار غار ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی عرب کے مشہور تاجر تھے) اسی لئے آپ نے راہ خدا میں ہزارہا درہم صرف کئے۔ اور اسلام کو وہ تقویت پہنچائی جو اور کوئی نہ پہنچا سکا۔ آپ خود فرماتے ہیں کہ میں قریش میں سب سے بڑا تاجر اور سب سے زیادہ مالدار تھا۔ پھر خلیفہ دوم حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ بھی تاجر تھے۔ اسی تجارت کی برکت تھی کہ آپ نے جب علی کرم اللہ وجہہ کی بیٹی سیدہ اُمّ کلثوم سے شادی کی تو اس کا

پھر چالیس ہزار درہم مقرر ہوا تھا جو آپ نے ادا کیا۔ حضرت عثمان غنی خلیفہ سوم رضی اللہ عنہ کے کاروبار کا معاملہ تو بہت ہی مشہور ہے۔ ان کے گودام میں ہزاروں من غلہ موجود رہتا تھا۔ ایک دفعہ ملک میں قحط پڑا ہوا تھا اور عثمان کا ملک شام سے ہزاروں اونٹوں پر لدا ہوا غلہ آرہا تھا۔ آپ نے حضور کی مرضی پاکر یہ غلہ غریبوں میں تقسیم کر دیا اور ساتھ ہی اونٹ بھی راہ خدا میں دے دیئے۔ یہ حضور کی تربیت تھی کہ خدا اور رسول کی رضا جوئی ان کا سب سے بڑا اثاثہ تھا حضرت عثمان نے بیئر رومہ (کنواں) پینتالیس ہزار درہم میں خرید کر تمام مسلمانوں کے لئے وقف کر دیا جبکہ اس کی سخت ضرورت تھی۔ اسی لئے آپ کا لقب غنی مشہور تھا۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ آپ کے صحابی تھے جنہوں نے اپنی تجارت کے ذریعے سے اسلام کی بڑی مدد کی۔ آپ نے چالیس ہزار درہم نقد، پانچ سو گھوڑے اور ایک ہزار اونٹ تبلیغ و اشاعت اسلام کے لئے مختلف مواقع پر پیش کئے۔ جب آپ ہجرت کر کے مدینہ پہنچے تو بالکل قلاش تھے۔ پھر آپ نے وہاں تجارت شروع کی اور خدا نے اس میں بڑی برکت ڈالی۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کی تجارت کا یہ عالم تھا کہ انتقال پر تین کروڑ بارہ لاکھ کی جائیداد چھوڑی۔ آپ کی چار بیویوں میں سے ہر ایک کو گیارہ گیارہ لاکھ درہم ملے۔ طلحہ بن عبید اللہ بھی مشہور تاجر تھے اور ان کے لنگر میں روزانہ ایک ہزار وزن دینار کا غلہ پکا کر غریبوں کو تقسیم ہوتا تھا۔ غرضیکہ یہ قصہ بہت طویل ہے۔ حضور کے حکم سے بہت سوں نے تجارت کی اور پھل پایا۔ پھر انھوں نے سرمایہ جمع نہیں کیا بلکہ برابر راہِ خدا میں تصدق کیا۔

حضور کا فرمان ہے کہ خدا تعالےٰ نے دنیا کے تمام کاموں (پیشوں) میں جس قدر خیر و برکت تقسیم کی ہے اس کا ۹۹ حصہ صرف تجارت میں رکھا ہے

اس لئے آپ کی ہدایت ہے کہ تمہیں تجارت کرنی چاہیئے۔ کیونکہ تجارت ہی سے قومیں بنتی ہیں۔ فرمایا جو تاجر سچ بولے اور امانت دار ہو وہ قیامت میں نبیوں، صدیقوں اور شہیدوں کے ساتھ ہوگا۔ غور کرنے کا مقام ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد سن کر وہ کون سا مسلمان ہوگا جس کے دل میں تجارت کرنے کا خیال چٹکیاں نہ لیتا ہوگا۔ لطف یہ ہے کہ آپ نے کامیابی کا راز بھی ساتھ ہی بتا دیا کہ تجارت صرف صدق اور امانت داری ہی سے ترقی کر سکتی ہے۔ حضور ایک دفعہ منڈی تشریف لے گئے جہاں غلّہ کے مختلف ڈھیر لگے ہوئے تھے۔ آپ نے بغرضِ تحقیق ایک ڈھیر میں ہاتھ ڈال کر درمیانی حصّہ سے دانے نکالے جو کہ بھیگے ہوئے تھے۔ آپ نے دکاندار کو ڈانٹا۔ اس دھوکہ دہی پر اس کو نادم کیا اور فرمایا مَنْ غَشَّنَا فَلَيْسَ مِنَّا۔ (جو دھوکہ دے وہ ہم میں سے نہیں ہے) اسی طرح آپ نے ذخیرہ اندوزی کے متعلق فرمایا جو شخص چالیس روز تک اناج اس غرض سے روکے رکھے کہ اس کا بھاؤ تیز ہونے پر فروخت کروں گا تو ایسی کمائی حرام ہوگی۔ جھوٹی قسمیں کھاکر مال فروخت کرنا بھی حرام قرار دیا۔ آپ نے فرمایا جو گوشت حرام کی کمائی سے بنا ہے اسے جنّت میں داخل نہ کیا جائے گا کیونکہ اس گوشت کے لئے آگ زیادہ حقدار ہے۔ آپ کسبِ حلال پر اتنا زور دیتے تھے کہ عبادت پر بھی اسے ترجیح دیتے تھے۔ اسلام میں نماز باجماعت فرض نہیں جبکہ رزقِ حلال کا حصول فرض ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر طلب حلال میں جماعت چلی جائے تو اگر یہ مجبوری سے ہو تو کوئی حرج نہیں۔ اس سے صاف واضح ہوتا ہے کہ اسلام میں بیروزگاری بیکاری اور سستی کس قدر معیوب ہے۔ نبی کریم مسلمانوں کو کسبِ حلال اور تجارت سے مال جمع کرنے کی کس پیارے انداز میں تلقین فرماتے

ہیں اور خود بھی تجارت کر کے نمونہ پیش کرتے ہیں۔ اسی سے حاصل کردہ مال سے اپنے کنبہ کی پرورش کرتے ہیں اور بیواؤں، مسکینوں کی مدد کرتے ہیں۔ ہمیں یہ پاک تعلیم بھی دیتے ہیں کہ محنت و مشقت سے خود کماؤ۔ دوسروں کو کھلاؤ۔ نہ کہ دوسرے کمائیں اور تم کھاؤ۔

ایک بار آپ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالےٰ اجمعین کے درمیان تشریف رکھتے تھے کہ ایک صحابی نے عرض کیا کہ فلاں شخص قائم اللیل اور صائم النہار ہے (یعنی رات رات بھر یادِ الٰہی میں مصروف رہتا اور دن کو روزے رکھتا ہے) اور کسی سے کوئی سروکار نہیں رکھتا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا تو پھر وہ کھاتا کہاں سے ہے؟ صحابی نے عرض کیا کہ اس کا ایک بھائی ہے جو کماتا ہے خود بھی کھاتا ہے اسے بھی کھلاتا ہے۔ آپ نے یہ سُن کر فرمایا۔ "اَخُوْہٗ اَفْضَلُ مِنْہُ۔" اس کا بھائی اس سے افضل ہے۔ (جو کہ تارک الدُنیا نہیں ہے بلکہ خود حلال کمائی کرتا ہے۔) آپ نے فرمایا جو شخص وجہ حلال سے مال جمع کرنا پسند نہ کرے یعنی وہ مال جس سے اپنی آبرو رکھ سکے اور اپنا قرضہ ادا کر سکے نیز رشتہ داروں کے حقوق کی ادائیگی کر سکے۔ اس میں کوئی بھلائی نہیں پائی جاتی۔

اسلام نے تجارت کے جن اصولوں پر زور دیا ہے اور حضور نے خود جن کا نمونہ پیش کیا ہے ان میں دیانت داری، خوش اخلاقی، امانت داری اور سچائی پیش پیش ہیں۔ ناپنے اور تولنے والوں کو فرمایا ہے کہ تمہارے سپرد وہ کام ہیں جنہیں ٹھیک طور پر نہ کرنے سے (یعنی ناپ اور تول میں کمی کرنے سے) تم سے پہلے لوگ ہلاک ہو چکے ہیں۔ آپ کا اشارہ مدین کے لوگوں کی طرف ہے کہ جو ناپ اور تول میں کمی کرتے تھے اور باوجود حضرت شعیب علیہ السلام کے سمجھانے کے باز نہ آتے تھے۔ حتیٰ کہ خدا تعالےٰ نے

عذاب نازل کیا۔ یہ قوم زلزلہ سے ہلاک ہوگئی اور ایسی نیست و نابود ہوئی جیسے کہ تھی ہی نہیں۔ تاجروں کو ناجائز حربے استعمال کرنے سے منع کیا گیا ہے عیب دار چیز کو عیب ظاہر کئے بغیر گاہک کے ہاتھ فروخت کرنا منع ہے کسی شئے کی دو قیمتیں بھی رکھنا روا نہیں۔ یعنی نقد والے کو کم پر اور ادھار والے کو زیادہ نرخ پر دینا منع ہے۔

پھر ملازموں اور نوکروں کے آداب بھی مقرر کئے گئے ہیں۔ اگر تم کسی آدمی یا ادارے کا کام کرتے ہو تو تمہارا فرض ہے کہ اپنی پوری استعداد کو کام میں لاؤ۔ جب تک اس ادارہ سے منسلک رہتے ہو اس کی پاسداری کرو۔ اور اس کے حق میں اچھی بات کرو۔ اس کے متعلق اچھا سوچو اور وقت پڑنے پر اس کا ساتھ دو۔ اس کی جائیداد کو نقصان پہنچانا کسی طرح بھی جائز نہیں۔ ایسا کرنے والوں سے عند اللہ حساب ہوگا۔ مالک کو حکم ہے کہ ملازموں کو کام کی استعداد کے مطابق عوضانہ ادا کرے۔ اور اس پر اتنا بوجھ ڈالے جسے وہ سہہ سکے۔ خادم کو اپنے جیسا کھانا دیا جائے اور اسے کپڑا دیا جائے۔ غرضیکہ حضور علیہ السلام نے ہر معاملہ میں نمونہ پیش کیا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم مبلّغوں کے لئے نمونہ

یوں تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پیدائش ہی سے مبلّغ تھے لیکن چالیس سال کی عمر شریف ہونے پر آپ نے بحکمِ خدا اظہارِ نبوت کیا اور کھل کر تبلیغ شروع کی۔ آپ انبیاء علیہم السّلام کے سردار بھی تھے اور کائنات کے تمام مبلّغوں، خطیبوں، مشنریوں، پرچارکوں اور لیکچراروں کے بھی رہنما تھے۔ آپ نے دنیا کو بتادیا کہ حق کی اشاعت وترویج کس طرح کی جاتی ہے اور تبلیغ، پرچار، تقریر اور خطبہ کس طرح دیا جاتا ہے۔ اللہ تعالےٰ نے فرمایا "اے رسولؐ! اپنے رب کی طرف سے جو کچھ تم پر نازل ہوا ہے اس کی خوب تبلیغ کرو" تبلیغ کو رسالت کے ساتھ ہی منضبط کیا گیا اور فرمایا گیا اگر تم نے کسی حکم کی تبلیغ نہ کی اور اسے دوسروں تک نہ پہنچایا تو گویا تم نے حقِ رسالت ادا نہ کیا اور فرائض نبوت میں کوتاہی کی اور یہ امرِ واقع ہے کہ آپ نے یقیناً حقِ رسالت ادا کر دیا جو آپ کی سیرت کا ایک درخشاں باب ہے۔ اس راستہ میں پیش آنے والی سختیوں اور صعوبتوں کو خندہ پیشانی سے برداشت کیا۔

جس طرح خدا نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مبلغ بنایا اسی طرح آپ نے اپنی اُمت کے ہر فرد و بشر پر یہ لازمی قرار دیا کہ مجھ سے جو کچھ سُنیں اس کی آگے تبلیغ کریں۔ حجۃ الوداع کے خطبہ میں آپ نے فرمایا: "فَلْیُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ" اس جگہ جو حاضر ہیں وہ ان تک پہنچا دیں جو کہ یہاں نہیں ہیں۔

الغرض آپ نے اپنی زندگی میں تبلیغی حیثیت کو بڑی ہی اہمیت دی بیشک آپ ایک خاوند بھی تھے۔ ایک امام بھی تھے۔ ایک حاکم بھی تھے۔ ایک تاجر بھی تھے مگر یہ سب صفات تبلیغی حیثیت کے تابع تھیں۔ اگر آپ امام یا حاکم تھے تو اس سے مقصود صرف یہ تھا کہ سارے عالم میں بہترین امامت اور حکومت کا نقشہ قائم کریں۔ چونکہ خدا تعالےٰ نے حضور کو ایک الوالعزم پیغمبر بنایا تھا اس لئے آپ اٹھتے بیٹھتے، چلتے پھرتے، سوتے جاگتے غرضیکہ زندگی کی ہر راہ عمل کے مبلغ تھے۔ آپ کی گھریلو زندگی تبلیغ تھی۔ آپ کا ذکر و فکر تبلیغ تھا۔ آپ کی عبادت و ریاضت تبلیغ تھی آپ کی سپہ گری اور کشور کشائی تبلیغ تھی۔ بس آپ تبلیغ کے پیکر تھے۔ سراپا تبلیغ تھے۔ آپ مبلغ پیدا ہوئے، مبلغ بن کر جیئے اور آپ کا دنیا سے وصال فرمانا بھی اُمت کے لئے ایک نمونہ تھا۔

اس کا نتیجہ یہ تھا کہ آپ کے تبلیغی پرچم تلے لوگ چلے آتے ہیں۔ وفورِ شوق سے بیتابانہ چلے آتے ہیں۔ دوسرے ممالک کے وفود کا تانتا بندھ جاتا ہے۔ کیا شان ہے کہ مدینہ جو پایۂ تخت ہے وہاں تخت کی جگہ منبر بچھایا جاتا ہے۔ منبر ہے۔ مسجد ہے۔ جھونپڑا ہے۔ چمڑے کا گدّا ہے۔ نہ حاجب ہے نہ دربان۔ امیر بھی آتے ہیں، غریب بھی آتے ہیں۔ دونوں کے ساتھ

برابری کا معاملہ ہے۔ جو ایک دفعہ آجاتا ہے صاحب خلق عظیم (صلی اللہ علیہ وسلم) کے اخلاقِ فاضلہ اور حسن سلوک کا گرویدہ بن کر وہیں کا ہو جاتا ہے۔ قیامت تک کے لئے ایمان والوں کو تبلیغ کی تعلیم دے دی کہ تبلیغ اس طرح ہوتی ہے۔ چونکہ زبانِ حال زبانِ قال سے زیادہ موثر ہوتی ہے اس لئے یہ ضروری قرار پایا کہ جو زبان سے کہو خود اس پر عمل کر کے دکھاؤ تبلیغ خالی تقریروں سے نہیں ہوتی۔ تبلیغ کرنے والا پیکرِ عمل صالح ہونا چاہیئے۔ اعمال اچھے ہوں گے۔ اخلاق اچھے ہوں گے۔ کیریکٹر اور کردار اچھا ہوگا تو تبلیغ یقیناً موثر ہوگی۔ اس لئے ہر مسلمان کو چاہیئے کہ فریضۂ تبلیغ بجالائے اور اس کے لئے پہلے اپنے اعمال وکردار میں وہ تبدیلیاں پیدا کی جائیں جو اس کے لئے لازمہ ہیں۔

مکہ میں تبلیغ کے راستہ میں پیش آنے والی مشکلات کو حضور نے نہایت صبر اور سکون سے برداشت کیا۔ بالآخر خدا کے حکم پر مدینہ کی طرف ہجرت کی۔ یہاں آکر نئے دور کا آغاز کیا۔ ہجرت کے نتیجہ میں اتنے بڑے بڑے نتائج ظہور میں آئے کہ چشم عالم آج حیران و سرگرداں ہے۔ آپ کی تبلیغ کا مقصد مادی منافع یا حاکمانہ جاہ وحشم نہ تھا بلکہ انسانیت کو بلند کرنے کی خاطر انسانوں کی انفرادی، قلبی وعملی جلا تھی۔ آداب واخلاق، اصول ومبادی کے ایسے نمونے پیش کرنے تھے جن کی قدیم وجدید کسی دور میں بھی نظیر ملنی محال ہے خوب اچھی طرح سمجھ لیجئے کہ آپ صرف جانیں بچانے کے لئے مکہ سے نہیں آئے تھے بلکہ ایک ایسی سرزمین کی ضرورت تھی جہاں دعوتِ تبلیغ کی اچھی طرح تخم ریزی کی جا سکے۔ ہجرت کے بعد اس بات کو کفارِ مکہ اچھی طرح بھانپ گئے کہ اب ہماری خیر نہیں۔ جو لوگ پہلے متفرق تھے وہ اب جماعتی

قوت بن گئے ہیں۔ نہایت بے کس و کمزور مسلمان آج اتنے مضبوط ہو گئے ہیں کہ سوائے خدا کے بڑی سے بڑی قوت سے بھی نہیں ڈرتے تھے۔ مدینہ مکرّمہ میں اپنی صفوں کو مضبوط کرنے کے بعد ہی حضور نے دائرہ تبلیغ کو فارس و روم کی بادشاہتوں کی طرف پھیلا دیا۔ آپ نے فرائض تبلیغ اتنی خوش اسلوبی اور جرأت کے ساتھ ادا کئے کہ ہمسایہ مملکتوں کے حکمرانوں، علاقائی افسروں، قبائل کے شیوخ اور دیگر پیشواؤں کو تقریباً دو سو سے اوپر خطوط روانہ فرمائے اس دوران آپ اپنی گوناگوں مصروفیتوں سے بھی بدرجۂ احسن عہدہ برآ ہوتے رہے۔ مکاتیب نبوی کی تفصیل کی یہ کتاب متحمل نہیں ہو سکتی۔ لیکن یہ واضح کر دینا ضروری ہے کہ ان خطوط نے اسلام کی اشاعت میں اچھا خاصا کردار ادا کیا ہے۔

آپ جانتے ہیں مکہ میں ہجرت سے پہلے کفّار کی سختیوں میں بے حد اضافہ ہو گیا تھا۔ پھر بھی آپ نے فریضۂ تبلیغ کی ادائیگی میں کمی نہ آنے دی۔ شعب ابی طالب کے اندر تین سال کی نظر بندی میں بھی پیغام حق برابر پہنچاتے رہے اور جب حج کے دنوں میں باہر نکلتے تو ارد گرد کے علاقوں میں رہنے والے قبیلوں میں تبلیغ فرماتے۔ حضرت ابو طالب اور حضرت خدیجۃ الکبریٰ کی وفات سے آپ کو بے حد صدمہ ہوا۔ کفّار نے آپ کو زیادہ تکلیف دینی شروع کر دی۔ مکہ کے سرکشوں سے تنگ آ کر آپ نے حجاز کے دوسرے بڑے شہر طائف جانے کا ارادہ کیا کہ شاید وہاں کے لوگ راہ حق اختیار کر لیں اور اسلام کے معاون بن جائیں۔ لیکن وہاں کے لوگوں نے دعوتِ اسلام کی طرف کوئی توجہ نہ کی بلکہ آپ کو ایذا پہنچانے پر تُل گئے۔ آپ نے اہل طائف کے ساتھ جو سلوک کیا تاریخ اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔ انھوں نے

شریر لوگوں کو آپ کے پیچھے لگا دیا جو آپ کی ہنسی اڑاتے تھے۔ قطار اندر قطار آکر آپ پر سنگ باری کرتے تھے۔ آپ کے پاؤں پر اتنے پتھر برسائے کہ آپ کی جوتیاں خون سے بھر گئیں۔ آپ شدت الم سے بیٹھ جاتے تو وہ بے درد آپ کو بازو سے پکڑ کر کھڑا کر دیتے اور پھر پتھروں کی بارش کر دیتے۔

خدا لگتی کہئے کہ "ایسے بدتمیزوں اور ظالموں کے ساتھ کیسا سلوک رکھنا چاہیئے؟ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جو دنیا بھر کے لئے رحمۃً للعالمین بنا کر بھیجے گئے تھے اس حالت میں بھی کوئی بددعا کا لفظ نہیں نکالا۔ خدا کی طرف سے ایک فرشتہ نے حاضر ہو کر پیغام دیا کہ اگر آپ فرمائیں تو ان لوگوں پر پہاڑوں کو الٹ کر تباہ کر دیا جائے۔ لیکن حضور نے فرمایا "اے میرے خدا۔ ایسا نہ کریں۔ مجھے امید ہے کہ ان کی نسل سے تیرے فرمانبردار بندے پیدا ہوں گے" ظالموں کے ساتھ یہ شفقت اور رحمت کا سلوک حضور ہی کا کام تھا۔ اس باب کو ہم چند اشعار پر ختم کرتے ہیں۔ ع

فلک کو آج تک بھولا نہیں طائف کا نظارہ — رسول اللہ جب تبلیغ کو کفار میں آئے
اُدھر سے سنگ باری تھی، اِدھر پیہم دعائیں تھیں — نہیں ممکن کہ بل تک ابروئے خمدار میں آئے
ستم سہہ کر دعا کی "یہ نہیں پہچانتے مجھ کو — کہ جوشِ انتقام اے منتقم اظہار میں آئے"
کیا پھر عرض "یا رب رکھ سلامت شاید ان میں سے — کوئی بندہ کبھی جھک کر تری سرکار میں آئے"

حضور صلی اللہ علیہ وسلم
جرنیلوں کے لئے نمونہ

کسی کامیاب جرنیل کی عظمت کا یقین حاصل کرنے کے لئے ایک پیمانہ
یہ ہے کہ ماہرین نے اس کے جو خواص گنائے ہیں وہ ان میں پورا اترتا ہو۔
حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان پر پورے ہی نہیں اترتے بلکہ ان خواص اور ان
خوبیوں سے بھی بہت بلند و بالا نظر آتے ہیں اور ہونا بھی ایسا ہی چاہیئے
آپ تو دنیا میں سب سے بڑا انقلاب برپا کرنے آئے تھے جو انسانی زندگی
کے مفہوم کو نیا رنگ دینے والا تھا چنانچہ آپ نے ذہنی انقلاب، اخلاقی انقلاب، معاشی و
سماجی انقلاب غرضیکہ زندگی کے ہر شعبہ میں انقلاب بپا کر دیا۔ اسی میں جنگی انقلاب بھی آجاتا ہے
کیونکہ آپ سے پہلے جنگ کے مقاصد کبھی اتنے ارفع و اعلیٰ نہ ہوئے
تھے نہ عسکری قیادت اتنی ہمہ گیر اور ہر دلعزیز ہوئی تھی۔ آپ کو ہجرت کے
بعد تقریباً دس سال ہمہ وقت جنگی تیاریوں ہی میں رہنا پڑا کیونکہ کفار مکہ
کو خاصی جھنجلاہٹ ہوئی کہ اب آپ مکہ سے چلے جانے کے بعد ہمارے
اثر سے آزاد ہو گئے ہیں اور بہت جلد طاقت پکڑ جائیں گے اس لئے

وہ پے در پے حملے کرنے لگے مگر خدا کو یہی منظور تھا کہ ایک آپ فاتح مکہ کی حیثیت سے اس شہر میں داخل ہوں جہاں سے آپ کو ہجرت کرنی پڑی تھی۔

آپ کو ۲ سنہ ہجری سے ۹ سنہ ہجری تک یعنی آٹھ سال کے عرصہ میں تقریباً ۲۶ جنگوں میں حصّہ لینا پڑا۔ ان میں سے گو بعض چھوٹی چھوٹی لڑائیاں ہیں لیکن نہایت ہی اہم ہیں۔ ہم صرف چند ایک کا مختصر حال بیان کرتے ہیں جس سے حضور کا کردار بطور جرنیل واضح ہوتا ہے۔

۱۔ جنگ بدر میں تین سو تیرہ صحابہ کرام کے ساتھ آپ نے ایک ہزار کی تعداد میں کفّار کے ساتھ مقابلہ کیا۔ حضور کی مہارتِ حربی کی بدولت دشمن کو سہ چند ہونے کے باوجود شکست فاش ہوئی۔ شہدار کی تعداد صرف چودہ اور دشمن کا نقصان ستّر مقتول اور سات اسیر ہوئے۔

۲۔ جنگ خندق شہر مدینہ کے باہر لڑی گئی اور تین ہفتے میں ساڑھے تین میل لمبی خندق کھودی گئی۔ تین ہزار صحابہ کا دس ہزار سے زائد دشمن سے مقابلہ تھا۔ حضور کے حربی داؤ پیچ کے سامنے اتنی بڑی تعداد کی کوئی پیش نہ گئی اور وہ بے نیل و مرام واپس ہوئے۔

۳۔ غزوۂ بنی قریظہ یہودیوں کی بدعہدی کی وجہ سے پیش آیا۔ آپ کی قائدانہ مہارت سے دشمن نے ہتھیار ڈال دیئے۔ تقریباً چھ سو یہودی قتل ہوئے اور باقی اسیر ہوئے۔

۴۔ یہودی پھر خیبر میں جمع ہو گئے اور اسلام کے لئے خطرہ بن رہے تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم چودہ سو صحابہ کے ساتھ دس ہزار یہود سے برسرپیکار ہو گئے۔ سترہ مسلمان شہید ہوئے اور ۹۳ کفّار ہلاک ہوئے۔

اس جنگ کے بعد جزیرہ العرب سے یہودیوں کا اثر ہمیشہ کے لئے ختم ہو کر رہ گیا۔

۵۔ غزوہ حُنین میں عرب کے متعدد قبائل آپ کے مقابلہ پر آئے۔ آپ نے بارہ ہزار صحابہ کی معیت میں کوچ کیا اور کفّار کے اچانک حملہ سے اسلامی لشکر تتّر بتّر ہوا لیکن حضور نے کمال مہارت سے ان کو دوبارہ جمع کر کے ایسا جوابی حملہ کیا کہ ان کے پاؤں اکھڑ گئے اور پسپا ہو کر بھاگے۔ چھ مسلمان شہید اور ۷۲ کفّار ہلاک ہوئے اور وہ چھ ہزار کی تعداد میں قیدی بنا لئے گئے۔

۶۔ غزوہ طائف میں بنو ثقیف کا محاصرہ کیا گیا۔ اس میں بارہ ہزار صحابہ شامل تھے۔ بارہ مسلمان شہید ہوئے۔ دشمن نے کچھ عرصہ بعد خود مسلمان ہونے کی پیش کش کی جو قبول کی گئی۔

۷۔ فتح مکّہ :۔ حضور نے چھوٹی بڑی جنگوں کے بعد مکّہ پر چڑھائی کی سکیم میں بہت سی جنگی چالوں کو پیش نظر رکھا۔ آپ نے ارادہ کر لیا کہ کفّار کو منظّم ہونے اور تیاری کرنے کی مہلت نہ دی جائے اور مکّہ پر ناگہانی حملہ کرنے کا ارادہ کیا۔ اس سے آپ کا مقصد یہ بھی تھا کہ جلد سے جلد فتح ہو جائے۔ اور کشت و خون زیادہ نہ ہو۔ مادی وسائل کے ساتھ ساتھ آپ خدا سے دعا بھی فرماتے تھے کہ دشمن کو جاسوسوں اور مخبروں کے ذریعے ہماری نقل و حرکت کی خبر نہ ہو۔ جب ایک شخص نے ایک عورت کو خط دے کر مکّہ روانہ کیا کہ وہ حضور کی تیاریوں کی اطلاع ان کو دے دے تو آپ نے اپنی پیغمبرانہ بصیرت سے اس کا پتہ لگا لیا اور اس کے پیچھے حضرت علی اور حضرت زبیر کو روانہ کر دیا۔ چنانچہ راستے ہی میں اس عورت سے خط برآمد کر کے اسے حضور کے سامنے لا حاضر کیا گیا۔ دس ہزار قدسی حضور کے زیر کمان تھے لیکن لڑائی کی نوبت

نہ آئی اور مکہ فتح ہو گیا۔ آپ نے اپنی سواری پر ہی اس ذاتِ اقدس کے سامنے سجدۂ شکر ادا کیا جس کی قدرتِ کاملہ سے آپ پر مکہ مکرمہ کے دروازے کھل گئے تھے اور آپ اطمینان و سکون سے اس میں داخل ہونے والے تھے لیکن ایک صحیح جرنیل احتیاط کا دامن کبھی ہاتھ سے نہیں چھوڑتا۔ آپ نے لشکر کو چار حصوں میں تقسیم کیا اور ان کو ہدایت کی کہ مجبوری کے سوا کسی حالت میں خونریزی نہ کریں۔

صرف ایک دستہ سے کچھ مزاحمت ہوئی جس میں تقریباً بیس آدمی قریش مکہ کے اور دو آدمی اسلامی لشکر کے کام آئے۔

الغرض اسلامی تاریخ بتاتی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں مسلمانوں نے جتنی جنگیں لڑیں ان میں مسلمانوں کے کل ۲۵۹ آدمی شہید ایک اسیر اور صرف ۱۲۷ زخمی ہوئے مگر اس کے برعکس دشمن کے ۷۵۹ آدمی مقتول اور ۶۵۶۴ اسیر ہوئے۔ اس سے دو باتیں صاف واضح ہوتی ہیں۔ اوّل یہ کہ اسلام کو جو تمام کائنات میں حق و صداقت کو پھیلانے آیا تھا جب مجبوراً کارزار میں اترنا پڑا تو دونوں فریقوں کے صرف ایک ہزار کے قریب افراد جاں بحق ہوئے۔ دوسری بات یہ ہے کہ مسلمان تعداد کم ہونے کے باوجود اپنے سے کہیں زیادہ تعداد والے دشمن پر غالب آئے۔ یہ محض حضور صلی اللہ علیہ وسلم جیسے کمانڈر انچیف کی مہارت اور حسنِ تدبیر سے ظہور میں آیا۔ اس وقت سارے عرب میں آپ جیسا شجاع اور بہادر کوئی نہ تھا۔ سخت گھمسان کی لڑائی میں بقول حضرت علی رضی اللہ عنہٗ مسلمان حضور کی اوٹ میں آجایا کرتے تھے اور آپ سب سے آگے ہو کر دشمن کا سامنا کرتے تھے۔ جنگ حنین میں جب پہاڑی درہ سے دشمن اچانک ٹوٹ پڑے تو آنحضرت نے مسلمانوں کو بکھرنے سے روکا

اور تیروں کی زبردست بارش میں آپ گھوڑے کو آگے بڑھاتے ہوئے فرماتے تھے "انا النبی لاکذب۔ انا ابن عبد المطلب" میں سچّا نبی ہوں اور عرب کے مشہور بہادر عبد المطلب کا بیٹا ہوں چنانچہ آپ کی حیات پرور للکار پر مسلمان پھر پلٹ آئے اور دم بھر میں کفار پر غالب آ گئے۔ جنگ اُحد میں بھی عقب سے کفّار سے اچانک حملہ سے مسلمانوں کے پاؤں اکھڑنے لگے تو آپ نے منتشر فوج کو حق کی آواز بلند کر کے جمع کیا اور فتح حاصل کی۔ ایک بار مدینے میں رات کو غل مچ گیا کہ دشمن نے دھاوا بول دیا۔ سب لوگ اکٹھّے ہو کر آبادی سے باہر اس شور کی جانب بڑھے۔ آگے سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم واپس آتے ہوئے دکھائی دیئے۔ آپ ننگے گھوڑے پر سوار تلوار حمائل کئے ہوئے تھے اور فرمانے لگے گھبراؤ نہیں میں اکیلا ہی دشمن کو بھگا آیا ہوں۔ سبحان اللہ آپ کتنے بہادر تھے۔

سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم عالم انسانیت میں عدل و انصاف کے مشن پر آئے تھے۔ آپ نے رشد و ہدایت کے علاوہ صدر مملکت کے فرائض بھی ادا کئے اور چونکہ صدر ملّت کی افواج کا سپہ سالار بھی ہوتا ہے اس لئے آپ نے سپہ سالاری کے فرائض اس حسن و خوبی سے ادا کئے کہ تاقیامت جرنیلوں کے لئے ایک تابندہ نمونہ ہے۔ باوجود اتنے ڈھیر سارے فرائض کے آپ نے ہر معاملہ میں اعلےٰ ترین معیار قائم کیا۔ یہ حقیقت ہے کہ اگر فوج کی صفوں میں شامل ہونے والوں کے کردار میں پختگی ہو اور صحیح خطوط پر ان کی تربیّت کی گئی ہو تو انہیں دنیا کی کوئی طاقت شکست نہیں دے سکتی۔ کردار میں پختگی احکام خداوندی کی بجاوری سے ہوتی ہے۔ خطۂ ارضی میں وہی قومیں

بامراد و کامران ہوتی ہیں جو اللہ کے احکام کے مطابق اپنے شب و روز کو ترتیب دیتی ہیں اور انہی کو خدا کی نصرت حاصل ہوتی ہے۔ یہی حضور کی تبلیغ اور یہی آپ کا مشن تھا۔ آج بھی جو اقوام کامیاب ہونا چاہتی ہیں انہی اصولوں پر عمل کر کے اپنا مقصد حاصل کر سکتی ہیں۔ حضور نے تنخواہ دار فوج قائم نہیں کی بلکہ ہر شخص میں یہ ولولہ اور جذبہ پیدا فرمایا کہ ہر بالغ فرد فوجی تربیت حاصل کرے اور ہر ادارہ اپنے دفاع کا خود ذمہ دار ہے۔ آج کی قوموں نے اس سے خاطر خواہ فائدہ اٹھایا ہے۔ اسلامی حربی تربیت کا مقصد یہ ہے کہ قافلوں اور گاڑیوں (ریلویز وغیرہ) کا عملہ متوقع حملوں کے خلاف دفاع کر سکے تیل کمپنیاں اپنے ہی عملہ کے ہاتھوں ذخائر کے تحفظ کا کام لے سکیں اور تعلیمی اداروں کی اپنی تربیت یافتہ نفری ہو۔ جب دشمن جنگ کرے ملک کا ہر فرد بُنیانٌ مَّرصُوص (سیسے کی دیوار) کا حصّہ بن جائے۔ یا یوں سمجھئے ہر مسلمان اپنی جگہ پوری طرح تیّار ہو تاکہ دشمن کو جنگ چھیڑنے کی جرأت نہ پڑے اور اگر وہ جنگ شروع کر دے تو اسے ایسا سبق دیا جائے کہ دشمن کی نسلیں بھی یاد رکھیں۔ اسی لئے جہاد ہر مسلمان پر قیامت تک کے لئے فرض قرار دیا گیا ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بطور سپہ سالار جو قوم کی حربی تربیت کی تھی اس کے بڑے بڑے نکات یہ ہیں۔

(۱) تعداد :- ملّت کا ہر فرد تربیت یافتہ ہو اور بوقت ضرورت ساری قوم مجاہد بن کر میدانِ جنگ میں کود پڑے حتیٰ کہ عورتیں بھی لڑائی میں بعض فرائض سنبھال لیتی ہیں۔

(۲) تربیت :- آپ نے شدّت کی گرمی اور سخت جاڑوں میں چھوٹے

فوجی قافلے (سرایا) روانہ کئے تاکہ افراد کو سخت کوشی کی تربیت حاصل ہو۔ خصوصاً ماہِ رمضان میں مشقت آمیز تربیت کی جاتی۔ جنگ بدر روزوں ہی کے ایّام میں لڑی گئی تھی۔ یہ واقعہ ہے کہ بدر کے بعد مسلمانوں کا رعب وداب بہت بڑھ گیا تھا۔ آج کے حالات میں بھی مسلمان سپاہیوں کے متعلق بین الاقوامی حلقوں میں اس طرح کے احساسات پیدا کرنے کا کام ہمارے لئے اور بھی ضروری ہو گیا ہے۔

(۳) فوجی دستوں کا مقام تعین :۔ افواج کو دشمن کی سرحدوں کے قریب متعین ہونا چاہیئے۔ ایسے مقامات موزوں ہیں جہاں سے اچانک حملہ کو بخوبی روکا جا سکے۔ حضور سرحدی علاقوں میں سرایا اس لئے بھیجا کرتے تھے کہ دشمن یہ نہ خیال کرے کہ مسلمان مدینے میں آرام سے بیٹھے ہوئے ہیں۔ اگر افواج زیادہ فاصلہ پر بھی ہوں تو ذرائع نقل وحمل اتنے اعلیٰ ہوں کہ دشمن کو یقین ہو کہ جونہی اس نے کوئی ایسی ویسی حرکت کی تو مسلمان فوجیں فوراً اس کے سر پر منڈلانے لگیں گی۔

(۴) ہتھیار :۔ مملکت کی مالی کمزوری اور عام مسلمانوں کی تہی دستی کے باوجود آپ نے ہتھیاروں اور آلاتِ حرب کی درست فراہمی کی طرف پوری توجہ فرمائی ہے۔ اس زمانے کے ٹینک "منجنیقیں" آپ نے طائف اور حنین کی لڑائیوں میں استعمال کئے تھے۔ اگر آج کا مسلمان اپنے دور کے بہترین ہتھیار استعمال نہ کرے گا تو وہ یقیناً سنتِ نبوی سے انحراف کا سزاوار ہو گا۔ ان کو اپنی مملکت کی حدود میں تیار کرنا ہو گا اور یہ اس معیار کے ہوں کہ دشمن کی دفاعی قوت پر ضربِ کاری لگائی جا سکے۔ موجودہ دور میں ایٹمی ہتھیاروں کی تیاری عین اسلامی تقاضوں کے مطابق سمجھی جائے

گی۔ ان کے علاوہ وہ تمام اخلاقی جوہر جو ایک مسلمان کے کردار کا حصہ ہیں جنگ میں بھی نمایاں طور پہ زیر عمل آتے ہیں یعنی حمایت حق۔ انضباط۔ ثابت قدمی۔ حکمت عملی۔

ہم یہاں صرف حضور کی جنگی حکمت کے متعلق چند واقعات ۔۔لے پیش کر کے اس باب کو ختم کرتے ہیں۔ ضبط۔ انتظام۔ تدبر۔ تو۔۔ ارادی کی پختگی اور فنون جنگ میں مہارت۔ ان سب اوصاف کے سا۔۔ ایک جرنیل میں ایسی حکمت عملی پائی جاتی ہے کہ کم سے کم خونریزی کے ساتھ زیادہ سے زیادہ سے زیادہ فتوحات حاصل ہوں۔ اگر بہت زیادہ خون خرابہ کے ساتھ فتح حاصل ہو تو وہ فوج کی جانبازی پر دلالت کرتی ہے لیکن جرنیل کی خوبی نہیں کہلاتی۔ فتح وہی قابل تعریف ہے جو کثیر نفوس کی ہلاکت ۔۔ غیر حا۔۔ اس نقطہ نگاہ سے بھی آپ کو کوئی ایسا جرنیل نہ ملے گا جو حکمت عملی ۔۔۔ سے مقابلہ کر سکے۔ دشمنان اسلام کا دعوے کس قدر غلط ہے کہ اسلام بزور شمشیر پھیلا۔ تاریخ اسلام کی کھلی کتاب آپ کے سامنے ہے۔ حقائق واضح ہیں۔ انہی سے دلائل ملتے ہیں کہ یہ دعوے ایک بہتان عظیم ہے جو اسلام کے بے داغ کردار پر لگایا جاتا ہے۔ جنگوں کے معاملہ میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جو کہ سارے عالموں کے لئے رحمت بن کر آئے ہیں، آپ کو متحمل۔ بردبار۔ شفیق اور فراخ دل جرنیل کے روپ میں نظر آتے ہیں جو ضرورت سے زیادہ ایک آدمی بلکہ ایک چڑیا کا خون بھی کرنے کے روادار نہیں ملاحظہ فرمائیے:۔

(۱) طائف کے محاصرہ پر ذرا غور کریں۔ کوئی اور جرنیل ہوتا تو اپنے جھوٹے وقار کو قائم رکھنے کی مجنونانہ کوشش میں ساری فوج کٹوا دیتا۔ حضور علیہ الصلوۃ

والسلام نے عمداً محاصرہ اٹھالیا اور آپ کا یہ فیصلہ کس قدر صحیح تھا کہ کچھ عرصہ بعد لوگوں نے دیکھا کہ وہ ساری قوم خود بخود مطیع و فرمانبردار ہوگئی۔

(۲) اگر حدیبیہ کے مقام پر حضور صلح نہ فرماتے تو خون کی ندیاں بہہ جاتیں۔ آپ نے حکمتِ عملی سے کام لیا اور ایک قابل اور دوررس جرنیل ہونے کا ثبوت دیا۔ بظاہر صلح حدیبیہ کی شرائط عام مسلمانوں کی نظر میں نقصان دہ معلوم ہوتی تھیں لیکن آپ نے سب شرطیں تسلیم کرلیں۔ بعد کے واقعات نے آپ کی بصیرت کا حق پر ہونا ظاہر کر دیا۔

ذرا غور کریں۔ اسّی غزوات میں کل ایک ہزار کے لگ بھگ فریقین کے آدمی کام آئے اور فی جنگ صرف بارہ آدمی اوسط پڑتی ہے۔ عرب جیسے وسیع و عریض ملک کو اتنے کم جانی نقصان کے ساتھ فتح کرنا صرف اسی جرنیل کا کام تھا جو قیامت تک جرنیلوں کے لئے ایک مینارۂ ہدایت بن کر آیا تھا۔ پچھلی دو عظیم جنگوں میں لاکھوں افراد ہلاک ہوئے اور کروڑوں زخمی۔ مہابھارت کے مقتولین کی تعداد بھی کروڑوں کے اوپر پہنچتی ہے خود عیسائیوں کے ہاتھوں عیسائیوں کی ہلاکت کروڑوں کے لگ بھگ ہوتی ہے۔ اکیلے ملک سپین میں چالیس لاکھ عیسائی ہلاک کئے گئے اور تیئس ہزار زندہ آگ میں جلادیے گئے۔ اب مصلح اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کی کامیابی کا اندازہ لگاؤ جنھوں نے عرب کے وسیع ملک میں نہایت معمولی جانی نقصان کے ساتھ فتوحات اور کامیابیاں حاصل کیں اور اس قدر روحانی اخلاقی اور مادی و ملی فوائد حاصل کئے جن کو بحیثیت مجموعی کوئی قوم اور ملک آج حاصل نہ کرسکا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم

بادشاہوں کے لئے نمونہ

عابد و زاہد مجاہد فاتح اقلیمِ دل
کملی والا باصفا فرمانروا پیدا ہوا

اگر حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک بادشاہ کی حیثیت سے دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے عنانِ سلطنت کو ہاتھ میں لیتے ہی جو جو کام کیئے وہ ملوکِ عالم سے اور کوئی بادشاہ سرانجام نہیں دے سکا۔ آپ نے عرب کی حکومت ہاتھ میں کیا لی، عرب کی کایا ہی پلٹ گئی اور دیکھتے ہی دیکھتے وہ انقلاب بپا ہوا کہ دنیا حیران رہ گئی۔

نبی اکرم نے تھوڑے سے ہی عرصہ میں عرب کو کچھ سے کچھ بنا دیا۔ اس کی تاریکئ جہالت کو نور سے بدل دیا۔ باطل پرستی کو حق پرستی سے۔ نفس پروری اور خودغرضی کو ہمدردی سے، ظلم و تکبر کو عدل و انکساری سے، گستاخی و سرکشی کو ادب و اطاعت سے، اور فاقہ کشی کو آسائش کی صورت میں تبدیل کر دیا جہاں پہلے انسان انسان سے محفوظ نہ تھا، وہاں شیر بکری ایک گھاٹ پانی پینے لگے۔ جہاں خون انسان کی کوئی قدر نہ تھی۔ وہاں چرند پرند کی حفاظت

فرض ہو گئی۔ جہاں غلام کوڑی کوڑی بک کر نشانہ ظلم بنتے تھے وہ غلاموں کو درجہ سرداری ملا۔ جہاں عورت باعث عار تھی، وہاں باعث رحمت اور محبوب ترین چیز ہو کر مقام ناز پر کھڑی کی گئی۔ جہاں مسافر لوٹے جاتے تھے وہاں مسافر و مہمان کے لئے اپنے پیٹ کی روٹی وقف ہو گئی۔ حالت مظلومیت میں جو فرمایا تھا کہ صنعاء سے حضرموت تک ایک شخص اکیلا سفر کرے گا اور اسے سوائے خدا کے کسی کا ڈر نہ ہو گا اور قادسیہ سے اکیلی عورت سونا اچھالتی ہوئی کعبہ کو آئے گی اور کوئی بال بیکا نہ کر سکے گا۔ یہ قول گو اس وقت کے حالات کے تحت ناممکن تھا مگر چند ہی سالوں میں جن کانوں نے یہ آواز سنی تھی ان کی آنکھوں نے یہ نظارے بھی دیکھ لئے۔

یہی وجہ تھی کہ یہود اور عیسائیوں نے یہ حالات سن کر اور یہ انقلاب دیکھ کر رعایا بننے کی درخواستیں کیں۔ یہی وہ آپ کی حکومت کے آئین تھے، جنہیں سن کر قیصر روم نے دربار عام میں اقرار کیا تھا کہ اگر یہ سچ ہے تو میری قدم گاہ تک اس کا قبضہ ہو جائے گا۔ اور ہو کر رہا۔ شاہِ حبش نے بھی سر اطاعت جھکا لیا۔ شاہانِ ایران اور حبش و شام کے تحائف عقیدت بھرے الفاظ کے ساتھ شاہ عرب کے قدموں میں آنے لگے۔

الغرض جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کامل طور پر حکومتِ عرب کی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں لے لی تو پھر مختلف ممالک کے بادشاہوں سے خط و کتابت شروع کر دی، ان کے پاس دعوتِ اسلام کے لئے اپنے سفیر بھیجے اپنے نام مبارک کی ایک مہر بنوائی تاکہ ان مکاتیب پر لگائی جائے جو بادشاہوں کے نام بھیجے جائیں۔ حالانکہ اس سے قبل حضور نے کبھی مہر کی ضرورت محسوس نہیں فرمائی تھی۔ واقعات شاہد ہیں کہ:-

(۱) شاہِ حبش کے پاس آپ کا سفیر نامہ مبارک لے کر گیا۔ یہ بادشاہ عیسائی تھا۔ آپ کی چھٹی دیکھ کر اور حالات سن کر مسلمان ہو گیا۔

(۲) شاہ بحرین کے پاس جب آپ کا سفیر پہنچا تو وہ بھی مسلمان ہو گیا اور اس کی رعایا کا اکثر حصہ دائرۂ اسلام میں داخل ہو گیا۔

(۳) شاہ عمان کے پاس جب آپ کا سفیر پہنچا تو اس کے بھائی نے عمر بن عاص (سفیر اسلام) سے ملاقات کی اور بہت سی باتیں دریافت کیں پھر کہا کہ مذہب تو اچھا ہے مگر ہمارا ملک جاتا رہے گا۔ عمر بن عاص نے کہا کہ اگر تمہارا بھائی اسلام قبول کرے گا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اسی کو اس ملک کا بادشاہ رہنے دیں گے کیونکہ حضور کسی سے اس کا ملک نہیں چھینا کرتے۔ دوسرے دن سفیر کو بادشاہ کی خدمت میں پیش کیا گیا۔ اس نے کہا دیکھو میں نے اس معاملہ پر خوب غور کیا ہے۔ اگر میں ایسے شخص کی اطاعت قبول کر لوں جس کی فوج ہمارے ملک تک نہیں پہنچی تو میں سارے عرب میں کمزور سمجھا جاؤں گا حالانکہ اگر اس کی فوج ہمارے ملک میں آئے تو میں ایسی سخت لڑائی لڑوں کہ تمہیں کبھی اس کا سابقہ نہ ہوا ہو۔

عمرو بن عاص نے کہا بہتر میں کل واپس چلا جاؤں گا۔

بادشاہ نے کہا نہیں کل تک ٹھہرو ہم مزید غور کریں گے۔

دوسرے روز بادشاہ نے انہیں اپنا آدمی بھیج کر بلایا اور مسلمان ہو گیا اور رعایا کا اکثر حصہ بھی اسلام لے آیا۔

(۴) منذر بن حارث شاہ دمشق کے پاس جب آپ کا سفیر پہنچا تو وہ پہلے خط مبارک دیکھ کر بہت بگڑا۔ کہا میں خود مدینے پر حملہ کروں گا۔ بالآخر کچھ سوچ کر سفیر کو باعزت رخصت کیا۔ مگر مسلمان نہ ہوا۔

(۵) حاکم یمامہ عیسائی المذہب تھا۔ سفیر نامہ مبارک لے کر گئے تو اس نے کہا کہ اگر اسلام پر میری آدھی حکومت تسلیم کر لی جائے، تو مسلمان ہو جاؤں گا۔ چنانچہ اس جواب سے تھوڑے دنوں بعد اس کو موت نے آلیا۔

(۶) مقوقس شاہ اسکندریہ و مصر بھی عیسائی المذہب تھا جب سفیر اس کے پاس خط لے کر گئے تو وہ نہایت عزت و احترام سے پیش آیا۔ آپ کے نامہ مبارک کو ہاتھی دانت کے ڈبے میں رکھوا کر اوپر مہر لگا دی اور خزانہ میں رکھوا دیا۔ پھر حضور کے لئے بہت سے تحائف بھیجے، دلدل مشہور خچر اسی نے تحفہ میں بھیجا تھا۔

(۷) خسرو پرویز کسریٰ ایران نصف مشرقی دنیا کا بادشاہ تھا۔ زرتشتی مذہب رکھتا تھا۔ جب آپ کا نامہ مبارک دیکھا تو غصہ سے آگ بگولا ہو گیا۔ خط کو چاک کر دیا اور کہا کہ میری رعایا کا ادنیٰ شخص مجھے خط لکھتا ہے۔ اور اپنا نام میرے نام سے پہلے تحریر کرتا ہے۔

اس کے بعد یمن کے وائسرائے کو (جو اس کا نائب السلطنت تھا اور ملک عرب اس کے زیر اقتدار یا زیر اثر سمجھا جاتا تھا) حکم بھیجا کہ اس شخص (نبی صلی اللہ علیہ وسلم) کو گرفتار کر کے میرے پاس روانہ کر دو۔

جب اس کے افسر معہ فوجی دستہ کے طائف میں پہنچے تو اہل طائف نے بڑی خوشیاں منائیں کہ اب محمدؐ ضرور تباہ ہو جائے گا (نعوذ باللہ) اور اسے اپنی بادشاہی کا مزا بھی آجائے گا۔ کیونکہ شہنشاہِ کسریٰ نے اسے گستاخی کی سزا دینے کا حکم بھیجا ہے۔

جب یہ افسر مدینے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو حضور نے فرمایا کہ آج تمہارے بادشاہ کو خدا نے ہلاک کر ڈالا ہے جاؤ اور

تحقیق کرلو۔ افسر یہ خبر سن کر یمن کو لوٹ گئے ۔ وہاں وائسرائے کے پاس سرکاری اطلاع آچکی تھی کہ خسرو کو اس کے بیٹے نے قتل کر دیا ہے اور تخت کا مالک اب شیرویہ ہے جو باپ کا قاتل ہے ۔

جو سفیر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھیجا تھا اس نے آکر عرض کیا کہ شاہِ ایران نے نامہ مبارک چاک کر ڈالا اس وقت حضور نے فرمایا (مَزَّقَ مُلْکَہٗ) اس نے اپنی قوم کے فرمان سلطنت کو چاک کر دیا ہے ۔

کسریٰ کے مرنے کے بعد وائسرائے یمن نے خود بخود تحقیقات کی اور دائرۂ اسلام میں داخل ہو گیا ۔ اس کے درباری اور ملک کا اکثر حصہ بھی مسلمان ہو گیا ۔

(۸) ہرقل شاہ قسطنطنیہ یا رومہ کی مشرقی شاخ سلطنت کا نامور بادشاہ عیسائی تھا ۔ جب اس کے پاس سفیر اسلام دحیہ کلبی، بیت المقدس پہنچا تو اس نے سفیر کے اعزاز میں بڑا شاندار دربار کیا ۔ اور خط ملاحظہ کرنے کے بعد ہرقل نے مزید تحقیقات کرنا بھی ضروری سمجھا ۔ حکم دیا کہ اگر ملک میں کوئی شخص مکہ کا آیا ہوا موجود ہو تو پیش کیا جاوے ۔

اتفاق سے ان دنوں ابوسفیان معہ دیگر تاجران مکہ شام آیا ہوا تھا اسے بیت المقدس پہنچایا گیا اور دربار میں پیش کیا گیا ۔ قیصر نے ہمراہی تاجروں سے کہا کہ میں ابوسفیان سے سوال کروں گا ۔ اگر یہ کوئی جواب غلط دے تو مجھے بتا دینا ۔

ابوسفیان ان دنوں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا جانی دشمن تھا ۔ اس کا اپنا بیان ہے کہ اگر مجھے یہ ڈر نہ ہوتا کہ میرے ساتھ والے میرا جھوٹ ظاہر کر دیں گے تو میں بہت باتیں بناتا مگر اس وقت مجھے قیصر کے سامنے سچ سچ ہی کہنا پڑا ۔

جو سوال و جواب ہوئے یہ ہیں۔

قیصر:۔ محمدؐ کا خاندان اور نسب کیا ہے؟

ابوسفیان:۔ شریف و عظیم ہے۔

یہ جواب سن کر ہرقل نے کہا سچ ہے نبی شریف گھرانے کے ہوتے ہیں تاکہ ان کی اطاعت میں کسی کو عار نہ ہو۔

قیصر:۔ محمد سے پہلے بھی کسی نے عرب میں یا قریش میں نبی ہونے کا دعوے کیا ہے؟

ابوسفیان:۔ نہیں۔

یہ جواب سن کر ہرقل نے کہا کہ اگر ایسا ہوتا تو میں سمجھ لیتا کہ اپنے سے پہلے کی تقلید اور ریس کرتا ہے۔

قیصر:۔ اس کے باپ دادا میں سے کوئی شخص بادشاہ بھی ہوا ہے؟

ابوسفیان:۔ نہیں۔

ہرقل نے اس جواب پر کہا۔ اگر ایسا ہوتا تو میں سمجھ لیتا کہ نبوت کے بہانے باپ دادا کی سلطنت حاصل کرنا چاہتا ہے۔

قیصر:۔ محمدؐ کے ماننے والے غریب مسکین لوگ زیادہ ہیں یا سردار اور قوی لوگ؟

ابوسفیان:۔ مسکین حقیر لوگ۔

ہرقل نے اس جواب پر کہا۔ ہر ایک نبی کے پہلے ماننے والے مسکین غریب لوگ ہی ہوتے رہے ہیں۔

قیصر:۔ کیا ان لوگوں کی تعداد روز بروز بڑھ رہی ہے؟

ابوسفیان:۔ جی ہاں بڑھ رہی ہے۔

ہرقل نے کہا ایمان کا یہی خاصا ہے کہ آہستہ آہستہ بڑھتا ہے اور حدِ کمال تک پہنچ جاتا ہے۔

قیصر:۔ کوئی شخص اس کے دین سے بیزار ہو کر پھر بھی جاتا ہے؟

ابوسفیان:۔ نہیں۔

ہرقل نے کہا لذت ایمان کی یہی تاثیر ہے کہ جب دل میں بیٹھ جاتی ہے اور روح پر اپنا اثر قائم کر لیتی ہے تب جدا نہیں ہوتی۔

قیصر:۔ یہ شخص کبھی عہد و پیمان کو بھی توڑتا ہے؟

ابوسفیان:۔ نہیں لیکن امسال ہمارا معاہدہ اس سے ہوا ہے۔ دیکھئے کیا انجام ہو۔

ابوسفیان کہتا ہے کہ میں اس جواب میں اتنا فقرہ ایزاد کر سکا تھا مگر قیصر نے اس پر کوئی توجہ نہ کی اور یوں کہا۔ بیشک نبی عہد شکن نہیں ہوتے عہد شکنی دنیا دار کیا کرتا ہے۔ نبی دنیا کے طالب نہیں ہوتے۔

قیصر:۔ کبھی اس شخص کے ساتھ لڑائی بھی ہوئی ہے؟

ابوسفیان: ہاں

قیصر:۔ جنگ کا نتیجہ کیا رہا؟

ابوسفیان:۔ کبھی وہ غالب رہا (بدر میں) اور کبھی ہم (اُحد میں)

ہرقل نے کہا خدا کے نبیوں کا یہی حال ہوتا ہے لیکن آخر کار خدا کی مدد اور فتح ان کو ہی نصیب ہوتی ہے۔

قیصر:۔ اس کی تعلیم کیا ہے؟

ابوسفیان:۔ ایک خدا کی عبادت کرو۔ باپ دادا کے طریق (بت پرستی) کو چھوڑ دو۔ نماز روزہ۔ سچائی۔ پاکدامنی۔ صلہ رحمی کی پابندی اختیار کرو۔

ہرقل نے کہا نبی موعود کی یہی علامتیں ہم کو بتائی گئی ہیں۔ میں سمجھتا تھا کہ نبی کا ظہور ہونے والا ہے لیکن یہ نہ سمجھتا تھا کہ وہ عرب میں ہوگا۔ اے ابوسفیان! اگر تم نے سچ سچ جواب دیئے ہیں تو وہ ایک روز اس جگہ پر جہاں میں بیٹھا ہوں (شام و بیت المقدس) پر ضرور قابض ہو جائے گا۔ کاش میں ان کی خدمت میں پہنچ سکتا اور نبی کے پاؤں دھویا کرتا۔

ابوسفیان کہتا ہے اس کے بعد آنحضرت کا نامہ مبارک پڑھا گیا۔ اراکین دربار اسے سن کر بہت چیخے اور چلائے اور ہم کو دربار سے باہر نکال دیا گیا میرے دل میں اسی روز سے اپنی ذلت کا نقشہ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی آئندہ عظمت کا یقین ہو گیا۔

(۹) ثمامہ جو نجد کا حکمران تھا آپ کی دعوت پر دائرہ اسلام میں داخل ہو گیا۔

(۱۰) جبلہ جو عرب کی مشہور و قدیم سلطنت غسان کا حکمران کا تھا وہ بھی مسلمان ہو گیا۔

(۱۱) فروہ بن عمرو خزاعی جو علاقہ شام پر قیصر کی طرف سے گورنر تھا وہ بھی حلقہ بگوش اسلام ہو گیا۔

(۱۲) اکیدر دومۃ الجندل کا حکمران مطیع و منقاد ہو کر مسلمان ہو گیا۔ یہ حکمران اور بادشاہ ہیں جنہیں حضور نے بحیثیت بادشاہ ہونے کے مخاطب فرمایا اور دعوت اسلام دی جو مسلمان ہو گئے ان کا ملک انہیں تفویض کیا اور جنہوں نے انکار کیا انہیں پھر شاہانہ طور پر چیلنج دیا کہ مطیع ہو کر رہو یا تلوار سے فیصلہ کر لو۔

ایک بادشاہ کے لئے یہ بھی ضروری اور نہایت ضروری ہے کہ وہ دوسری

سلطنتوں، حکومتوں یا قوموں کے ساتھ ایسے معاہدے کرے جو اس کے استحکام کے لئے ضروری اور مفید ہوں۔ ان معاہدوں کے لئے نہایت مدبّر، دور اندیش اور عالی دماغ اشخاص کی ضرورت ہوا کرتی ہے چنانچہ فی زمانہ سب حکومتوں نے اس کام کے لئے الگ الگ محکمے بنا رکھے ہیں۔ مگر حضور ہیں کہ سب کام خود ہی کئے جاتے ہیں۔ اور لطف یہ کہ کام پھر ایسے ہوتے ہیں جو سب پر سبقت رکھتے ہیں اور سبھی ان کا لوہا تسلیم کرتے ہیں۔

حضور نے مدینہ پہنچ کر اپنی سیاسی زندگی میں سب سے پہلے یہ مناسب خیال فرمایا کہ جملہ اقوام سے ایک معاہدہ بین الاقوامی اصول پر کر لیا جائے تاکہ نسل اور مذہب کا اختلاف قومیت کی وحدت سے مبدّل ہو جائے اور سب کو تمدّن و تہذیب میں ایک دوسرے سے "مدد و اعانت" ملتی رہے۔

چنانچہ سب سے پہلے یہود کے ساتھ جو معاہدہ ہوا وہ حسب ذیل تھا۔

یہ تحریر ہے محمّد نبی کی طرف سے مسلمانوں کے درمیان جو قریش یا یثرب کے باشندے ہیں اور ان لوگوں کے ساتھ جو کاروبار میں ان کے شریک ہیں یہ سب لوگ ایک ہی سمجھے جائیں گے۔ بنی عوف کے یہودی اور مسلمان ایک قوم ہیں۔ جو ان معاہدہ کرنے والی قوموں کے ساتھ جنگ کرے گا مسلمان ان کی مدد کریں گے۔ مسلمانوں کے تعلقات اپنے معاہدہ قوموں کے ساتھ خیر خواہی۔ خیر اندیشی اور فائدہ رسانی کے ہوں گے ضرر اور گناہوں کے نہ ہوں۔ جنگ کے دنوں میں یہودی مسلمانوں کے ساتھ مصارف میں شامل رہیں گے۔ یہودیوں کے دوستدار قوموں کے حقوق یہودیوں کے برابر سمجھے جائیں گے۔ کوئی اپنے معاہدے کے ساتھ

مخالفانہ کارروائی نہیں کرے گا۔ مظلوم کی امداد اور نصرت کی جائے گی۔ مدینہ کے اندر کشت وخون کرنا اس معاہدے کی رو سے سب پر حرام ہوگا۔ ہمسائے بھی معاہدہ قوموں جیسے سمجھے جائیں گے اور اس معاہدہ کی قوموں کے اندر اگر کوئی ایسی نئی بات یا جھگڑا پیدا ہو جائے جس میں فساد کا خوف ہو تو اس کا فیصلہ خدا اور اس کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق سمجھا جائے گا"۔

اس معاہدے پر مدینے کی تمام آباد قوموں کے دستخط ہو گئے اور حضور نے گرد و نواح کے بہت سے قبائل کو بھی اس معاہدے میں شامل کر لیا اور انہوں نے بھی دستخط کر دیئے۔ جس سے حضور کو دو فائدے متصور تھے۔

(۱) جو خانہ جنگی قبائل کے درمیان ہمیشہ جاری رہتی ہے اور خلق خدا کے خون سے خدا کی زمین ہمیشہ رنگین رہتی ہے، اس کا انسداد ہو جائے گا۔

(۲) قریش مکہ ان لوگوں کو جن سے معاہدہ ہو جائے گا مسلمانوں کے خلاف برانگیختہ نہ کر سکیں گے۔

یہ اور اس قسم کے کئی معاہدے ہیں جو حضور نے ایک حکمران ہونے کی حیثیت سے ہمسایہ قوم یا سلطنتوں سے کئے اور وہ سب بجائے تلوار چلانے صلح پھیلانے اور امن قائم کرنے کے تھے۔

کہاں ہیں وہ مستشرقین اور عیسائی جو یہ کہتے ہیں کہ اسلام تلوار سے پھیلا۔ آئیں اور حضور کے ان معاہدات کو پڑھیں اور پھر متی باب ۱۵ درس ۳۴ پر قول مسیح "مت سمجھو کہ میں زمین پر صلح کرانے آیا ہوں" کو غور سے دیکھیں اور پھر انصاف سے کہیں کہ امن پھیلانے والا کون تھا۔

شاہِ عرب نہیں بلکہ شاہ دو جہاں ہونے کے باوجود بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طبیعت میں اس قدر سادگی تھی کہ جب آپ صحابہ کرام کے ساتھ بیٹھے ہوتے

تو کوئی پہچان نہ سکتا تھا کہ ان میں بادشاہ کون ہے اور دربان کون ہے؟ آپ نے دربار عام میں بیٹھنے کے لئے کوئی خاص نشست گاہ نہ بنا رکھی تھی کہ جس سے امتیاز ہو سکتا نہ تخت تھا نہ کرسی تھی۔ نہ پلنگ تھا نہ چٹائی تھی بلکہ عام طور پر حضور فرش پر ہی تشریف رکھ لیا کرتے تھے۔ یا جہاں آپ کے دوست بیٹھے ہوتے وہیں بیٹھ جاتے۔ اسی جگہ مقدمات سنتے، اسی جگہ فیصلے دیتے، وہیں درس ہوتا۔ وہیں اصلاح اخلاق پر لیکچر ہوتے۔ وہیں فوجیں مرتب ہو جاتیں۔ وہیں سے حکومتوں کے ساتھ نامہ و پیام جاری ہوتے۔ نہ الگ الگ کمرے تھے، نہ دفتر تھے۔ نہ محکمے تھے۔ صرف ایک ہی مسجد تھی۔ وہ بھی ٹوٹی پھوٹی جو سب کام دیتی تھی۔

مگر بایں ہمہ سادگی، رُعب وادب کا یہ عالم تھا کہ مخالفین جب حضور کے سامنے آتے تو کانپ جاتے۔ ایک شخص حضور کی خدمت میں حاضر ہوا اور کچھ جھجک سا گیا۔ حضور نے جب اسے دیکھا تو فرمایا ڈرو نہیں۔ میں ایک غریب قریش عورت کا بیٹا ہوں جو سوکھا گوشت کھایا کرتی تھی۔

سواری کے لئے بھی کوئی خاص اہتمام نہ تھا۔ ایک گدھا ہوتا تھا جس کی لگام کھجور کے چھلکوں کی تھی۔

حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ فتح مکّہ کے دن جو پالان آپ کے اونٹ پر تھا اسکی قیمت زیادہ سے زیادہ ایک روپیہ ہو گی۔

ذرا غور کرو یہ اس شاہ عرب کی شاہی سواری ہے جو سارے عرب کا فاتح ہے۔ آپ عام طور پر اپنے ہاتھ میں جو عصا (چھڑی) رکھا کرتے تھے وہ کھجور کی ہوتی تھی۔

لباس بھی آپ کا نہایت سادہ اور معمولی ہوتا تھا۔ صرف تین کپڑے

تھے۔ عمامہ عام طور پر سیاہ رنگ کا پہنا کرتے تھے۔ جب کوئی کپڑا پھٹ جاتا تو اسے پیوند لگا لیتے اور اس میں کسی قسم کی عار نہ سمجھتے تھے۔ الغرض آپ کی سادگی کا یہ عالم تھا کہ کوئی غیر شخص آپ کو دیکھ کر پہچان نہ سکتا تھا کہ عرب کے بادشاہ یہی ہیں یا کوئی اور؟ ۔ پھر لطف یہ کہ اس سادگی کے باوجود تمام بادشاہ بھی آپ کا لوہا مانتے تھے اور آپ کے ماتحت رہنے کو باعثِ فخر سمجھتے تھے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم

طبیبوں کے لئے نمونہ

غالباً یہ بہت کم لوگوں کو معلوم ہوگا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جیسے روحانی طبیب ہیں ویسے جسمانی بھی ہیں اور جس طرح آپ نے تمام افرادِ انسانی کی بہبودی کے لئے روحانی (غیر محسوس) بیماریوں کی تشریح فرمائی ہے۔ اسی طرح آپ نے جسمانی بیماریوں کی تشریح اور علاج میں ایسے قوائد اور بنیادی اصول ارشاد فرما دیئے ہیں کہ وہ نہ تو حکمائے یونان کو سوجھے تھے اور نہ ہی آجکل کے ترقی یافتہ سائنسدان ڈاکٹر اس تحقیق تک پہنچ سکے ہیں۔

حضور نے حفظانِ صحت کے جو اصول وضع فرمائے پہلے ان کی تشریح ملاحظہ

ہو۔ پھر حضورؐ کے وہ واقعات پیش کئے جائیں گے جو آپ کی طبّی زندگی سے تعلق رکھتے ہیں۔

(۱) حدیث شریف میں آیا ہے کہ حضور مسواک سے بہت محبت رکھتے تھے جب وضو کرتے مسواک ضرور کرتے۔ ایک بار آپ نے فرمایا کہ جب جبرئیلؑ آتا ہے مجھے مسواک کا حکم دیتا ہے۔ عائشہ رضی اللہ عنہا فرمایا کرتی تھیں کہ حضورؐ اتنی مسواک کرتے کہ ہمیں ڈر رہتا کہیں حضور کے مسوڑھے چھل نہ جائیں۔

آپ صحابہ کرام سے فرماتے کہ مسواک ضرور کیا کرو۔ اس سے روحانی فائدے بھی ہیں اور مادی بھی۔ مادی یہ کہ تمہاری صحت اچھی رہے گی۔ معدہ کو تقویّت پہنچے گی۔ دماغ صاف اور روشن ہوگا۔ بصارت بڑھے گی اور روحانی یہ کہ جس وضو میں مسواک کی جائے گی اس نماز کا اجر دوسری نماز سے ستّر گنا زیادہ ملے گا۔

بے شک مسواک کو ایک ظاہر بین انسان معمولی تصوّر کرتا ہے مگر جب اس کے روحانی فوائد کے علاوہ طبی فوائد پر نظر کرتا ہے تو اسے معلوم ہو جاتا ہے کہ دانت، مسوڑھے۔ زبان۔ دماغ۔ حلق وغیرہ جملہ اعضاء کے فضلات کو جس خوبی اور آسانی سے مسواک دور کر سکتی ہے اور کوئی چیز بھی ان فضلات کی تاثیرات سے انسان کو نہیں بچا سکتی۔ پیلو کی لکڑی دانتوں اور مسوڑھوں کی حفاظت اور ان رطوبات فاسدہ کو خارج کرنے کے لئے طبّی طور پر ایک نہایت اچھی دوا ہے۔ جب اسے بطور مسواک استعمال کیا جائے گندہ دہنی کو دور کرتی ہے۔ رطوبات فاسدہ کا اخراج کرتی ہے اور جب کہ اسے پانچ دفعہ پابندی سے استعمال کیا جائے تو یقیناً یہ ہوا سے اڑ اڑ کر دانتوں اور منہ میں پہنچنے والے مادوں یا جراثیم سے حفاظت کا ایک قطعی بیمہ ہے۔ اس خوشبودار لکڑی کی مسواک سے آلات چشم پر بھی عمدہ اثر پڑتا ہے اور قیام بصارت میں بھی بہت مدد

ملتی ہے۔

آپ نے دیکھا ہوگا کہ بہت سے غیر مسلم بھی داتن کرتے ہیں۔ یہ انہیں کوئی مذہبی حکم نہیں ہے بلکہ وہ طبی طریق پر اس کی ضرورت محسوس کرتے ہیں۔ ڈاکٹر بھی دانتوں کے مریضوں کو اکثر برش کی تلقین کرتے ہیں اور اب تو عام لوگ بھی برش کی ضرورت محسوس کرنے لگے ہیں۔

نئی طبّی تحقیقات نے دانتوں کی اس بیماری کا جسے طب قدیم "گندہ دہنی" اور گوشت خورہ کے نام سے صدیوں پہلے جانتی تھی نہایت شدومد سے نشر یہ کیا ہے اور قرار دیا ہے کہ یہ بیماری انسان کی سب سے بڑی دشمن ہے۔ معدہ کی خرابی سے یہ بیماری پیدا ہوتی ہے اور معدہ کی تباہی اس بیماری کا نتیجہ ہوا کرتی ہے۔ یہاں تک کہ دق کا مرض اس سے پیدا ہو جاتا ہے لیکن یہ حضور سرور کائنات کا کام تھا کہ ساڑھے تیرہ سو برس پہلے اس حقیقت کو واشگاف کر دیا اور قبل اس کے کہ تمدن و تہذیب کی ترقی عالمگیر طور پر اس مرض کو پیدا کرتی اس کی پیدائش کو بند کرنے کا طریقہ بھی بتلا دیا اور پھر طریقہ کیسا؛ بالکل سادہ۔ نہایت سستا اور ہر شخص کے لئے عملی، جو ہر جگہ میسّر آسکے اور بلا تکلف بہم پہنچ سکے۔

ایک شخص جو ضرورت سے زیادہ اپنے معدہ پر غذا کا بوجھ نہیں ڈالتا (اور یہ عادت ٹھیک سنت نبوی کا اتباع ہے) اور اس وجہ سے اس کے معدے میں خراب گیس اور خراب بخارات نہیں اٹھتے نہ خون میں وہ خرابی پیدا ہوتی ہے جو گوشت خورہ اور پائیوریا کو پیدا کرے۔ اس کے ساتھ وہ پانچ دفعہ دن رات میں دانتوں اور مسوڑھوں کو خراب رطوبتوں، مادوں اور جراثیم سے پاک وصاف کرتا رہتا ہے۔ اس کو یہ بیماری پیدا نہ ہوگی۔ اگر پیدا ہو جائے تو

قبل اس کے کہ وہ ایسی ترقی کرے کہ دانت اکھڑوانے اور اس طرح آلات انہضام کی اولین پوزیشن کو تباہ و برباد کرنے کے غیر قدرتی فعل کا ارتکاب کیا جائے وہ اس بیماری سے نجات حاصل کر سکتا ہے کسی ہسپتال میں جا کر نہیں۔ یورپ کے کسی ماہر فن کی فیس ادا کر کے نہیں۔ دانت اکھڑوا کر نہیں اور چہرہ بگڑوا کر نہیں بلکہ محض ایک معمولی لکڑی سے اور محض دنیا کے طبیب اعظم (روحی فداہٗ) کے ایک بتائے ہوئے اصول حفظان صحت پر عمل کر کے۔

تجربہ سے معلوم ہوا ہے کہ مسواک کی مداومت سے منہ اور معدہ کی تمام بیماریاں دور ہو جاتی ہیں۔ نزلہ و زکام سے نجات حاصل ہوتی ہے۔ بینائی و حافظہ بڑھ جاتا ہے۔ سل اور دق کا اندیشہ تک نہیں رہتا۔ قبض جیسا نامراد مرض اس سے دور ہو جاتا ہے بشرطیکہ اس کا عمل روزانہ ہوتا رہے۔ مسواک نیم۔ کیکر۔ الائچی کی بھی بہت مفید ہے مگر پیلو کی تازہ شاخ تو سب پر فضیلت رکھتی ہے مسواک جتنی صاف اور ستھری ہو اتنی ہی منفعت بخش ثابت ہوتی ہے۔

(۲) حضور نے ہر نماز کے لئے اپنی امت کو جو وضو کی تعلیم دی ہے اگر سوچا جائے تو علاوہ روحانی فوائد کے اس میں بہت سے طبی فوائد بھی مضمر ہیں۔

ہوا اور پانی پر انسان کا دار و مدار زندگی ہے اور پانچ دفعہ کا یہ غسل معدہ کے ذریعے سے نہیں بلکہ مسامات کے ذریعہ سے بقائے زندگی کی اس چیز (پانی) کا ضروری حصہ قدرتی طور پر جسم انسان کے اندر پہنچاتا ہے۔ اس کے ساتھ وہ جسم کے کھلے ہوئے اعضاء کی کثافتوں کو پانچ دفعہ دور کرتا رہتا ہے۔ سائنس کی نئی تحقیقات بتاتی ہے کہ ہوا کے ذرات میں اڑنے والے اربوں جراثیم ہیں جو منہ ناک اور حلق کے ذریعہ سے پیٹ میں چلے جاتے ہیں۔ بیشمار جراثیم ہیں جو اندر پہنچ کر فنا ہو جاتے ہیں اور بہت سے ہیں جو اندر پہنچنے کے راستوں میں رہ جاتے ہیں لیکن وضو میں تین

دفعہ صاف پانی سے کلی اور غرارہ کیا جاتا ہے اور منہ اور حلق کو پاک و صاف کر دیا جاتا ہے۔ تین دفعہ ناک کے پورے بانسے کو دھو کر صاف کیا جاتا ہے اور جراثیم کے اندرون جسم میں داخل ہونے کے ان راستوں کی قدرتی اور سادہ طریقہ سے صفائی (ڈس انفکٹ) کر دی جاتی ہے اور منہ سے کپڑا باندھنے (جیسا کہ بعض ہندو لوگ کرتے ہیں) غیر قدرتی عمل کی بجائے اس قدرتی طریقہ سے صفائی اور حفاظت از جراثیم کا مقصد بھی پورا ہو جاتا ہے اور نفس کی آمد و شد اور تازہ اور زندگی بخش ہوا کے بلا روک ٹوک اندر جانے اور پیٹ کی خراب گیس کے باہر خارج ہونے میں کوئی مزاحمت بھی نہیں ہوتی اور اس عمل کی چوبیس گھنٹہ میں پانچ دفعہ تکرار اچھی طرح اس کے ظاہری طبی مقصد کو بھی پورا کر دیتی ہے۔

رات بھر کی نیند کے بعد جبکہ انسان سوئے ہوئے بدل ما یتحلل تھکے اور ماندے اعضاء بدن کے لئے حاصل کر لیتا ہے اور بیکار اجزاء مسامات کے ذریعے خارج ہوتے رہتے ہیں اور جسم کے کھلے ہوئے اعضاء پر ہوا میں اڑنے والے مادے یا حسب تحقیقات جدید "جراثیم"، جمع ہو جاتے ہیں تو مسلمان رفع ضروریات کے بعد پہلا کام یہ کرتا ہے کہ پاک و صاف پانی سے (وضو کے لئے شرعاً ضروری ہے کہ پانی پاک و صاف ہو) اپنے تمام کھلے ہوئے اعضاء کی تین دفعہ شست و شو کرتا ہے اور رات بھر میں جمع ہونے والی کثافتوں کو دور کرتا ہے۔ طلوع آفتاب سے پہلے تازہ پانی سے بذریعہ مسامات جدید تغذیہ بھی حاصل کرتا ہے اور اعضاء پر جو مادے یا جراثیم رات بھر میں جمع ہو گئے تھے ان کو بھی دور کر دیتا ہے پھر نصف دن گذر جانے کے بعد جب کہ آفتاب کی حرارت سے (یا سرد ممالک میں کاروبار زندگی کی تکان سے) وہ خستہ اور ماندہ ہو جاتا ہے اسے یہ مفرح اور زندگی بخش غسل کرایا جاتا ہے جس سے کثافتوں یا جراثیم کا بھی ازالہ ہو جاتا ہے

اور اس غسل سے تازگی بھی حاصل ہو جاتی ہے۔ اس کے تین یا چار گھنٹے بعد جبکہ اس وقفہ میں کاروبار کی محنت دن کے پہلے نصف حصہ سے زیادہ تھکا دینے والی ہوتی ہے وہ پھر اس غسل کی تکرار کرتا ہے اور اس کے فوائد معلومہ کو حاصل کرتا ہے۔ پھر غروب آفتاب کے وقت جبکہ عصر و مغرب کے اس درمیانی حصہ میں تحلیل اجزاء دن کے تمام حصوں سے زیادہ ہو گئی ہے وہ پھر اس زندگی بخش غسل سے تازہ دم ہوتا ہے۔ مغرب کے بعد عشاء کا وقت ہے جو دن بھر کے کاروبار کے بعد رات کے آرام کو شروع کرنے کا اور بستر خواب پر جانے کا ٹائم ہے۔ اب ضرورت ہے کہ وہ بستر پر اس حالت میں جائے کہ پاک صاف حالت میں ہو اور تازہ دم ہو تاکہ گہری اور آرام دہ نیند سے فائدہ اٹھا سکے اس لئے آخری دفعہ وہ ایک تہائی رات جانے کے بعد اب پانچویں دفعہ اس فائدہ بخش غسل کا نفع حاصل کرتا ہے۔

روزانہ اس پانچ بار اعضاء کے غسل کے جسمانی فوائد اور طبی منافع پر غور کیجئے کہ وہ کس قدر بیّن اور ظاہر ہیں۔ پھر یہ بھی دیکھئے کہ یہ طریق مشرق و مغرب کے گرم اور ٹھنڈے ملکوں کے لئے کس قدر سادہ کس قدر آسان اور یکساں طور پر مفید ہے جو حضور نے اپنی امت کے لئے جاری کر دیا ہے پورے غسل کی طرح اس میں کوئی دشواری بھی نہیں جو ٹھنڈے ملکوں یا قلّتِ آب کے مقاموں پر پیش آتی ہے۔ یہ تو حفظان صحت کا ایک سادہ اور عملی طریقہ ہے جو ہر جگہ ہر شخص کے لئے مفید بھی ہے اور آسان بھی ہے۔

(۴) پھر حضور نے بطور حفظ ما تقدم اپنی امت کے لئے پورا غسل بھی ضروری ٹھہرا دیا۔ دن کے اس پانچ مرتبہ غسل کے علاوہ پورے بدن کا غسل یوں تو جب کوئی چاہے کرے اور جتنی بار چاہے کرے مگر حضور نے اسے

ہر جمعہ کے دن ضروری قرار دیا ہے۔ اِذَا جَاءَ اَحَدُکُمُ الْجُمُعَۃَ فَلْیَغْتَسِلْ (بخاری ومسلم) پھر فرمایا۔ غُسْلُ الْجُمُعَۃِ وَاجِبٌ عَلٰی کُلِّ مُحْتَلِمٍ یعنی بالغ اور متاہل آدمی پر ہر مجامعت کے بعد جو غسل فرض قرار دیا گیا ہے اس میں بھی یہی حکمت ہے کہ چونکہ مجامعت کا فعل جسم کے مادوں کو مسامات جسم کی طرف متحرک کر دیتا ہے اس لئے تمام جسم کو خوب دھویا جائے اور ایک بال برابر جگہ بھی خشک نہ چھوڑی جائے تاکہ کثیف مادے ہر مسام جسم سے خارج ہو جائیں اور بدن تازہ پانی سے بذریعہ مسامات نیا تغذیہ بھی حاصل کرے اور فعل مجامعت سے جو تکان پیدا ہوتی ہے تحلیل اجزا جسم ہوتی ہے۔ جسم کو ایک حد تک اس کا معاوضہ حاصل ہو جائے۔

(۴) اسی طرح ہمیں نماز پنجگانہ کا حکم جو درحقیقت بہت سے باطنی اور روحانی فوائد حاصل کرنے کے لئے دیا گیا تھا اپنے اندر کئی جسمانی اور طبی فائدے بھی رکھتا ہے اگر اس کے روحانی فوائد سے قطع نظر کر کے سطحی نظر سے دیکھا جائے تو نماز سے پانچ دفعہ دن اور رات میں تمام جسم میں حرکت پیدا ہو جاتی ہے اور اس سے ایک ایسی ہلکی ورزش ہو جاتی ہے جو قوی اور کمزور جوان اور بوڑھے عورت اور مرد سب کے لئے بہترین طبی منافع کی ضمانت ہے۔ اس سے زائد رطوبات جسمیہ کی تحلیل ہوتی ہے۔ اس سے آلات انہضام کو قوت حاصل ہوتی ہے اور فعل ہضم کے درست اور باقاعدہ ہونے کی ایک طرح پر مدد مل جاتی ہے۔

(۵) اسی طرح روزہ کو دیکھ لیجئے جو اپنے مہتم بالشان روحانی فوائد کے ساتھ ساتھ ایسے بہترین جسمانی فائدے انسان کو پہنچاتا ہے جو کسی دوسرے طریقہ سے ممکن نہیں۔ روزہ ضبط نفس کی عادت پیدا کرتا ہے اور ضبط نفس

سے کیریکٹر پیدا ہوتا ہے۔ روزہ مصائب کے وقت انسان کو صبر و برداشت کے ساتھ مشکلات و مصائب کے ہجوم میں سے کامیابی کی راہ نکالنے کی عادت سکھاتا ہے۔ روزہ سے امیروں کو غریبوں کی بھوک اور پیاس کی حقیقت معلوم ہوتی ہے اور اس طرح خدمت عوام اور خدمت غربا کی عالمگیر تحریک کو مدد ملتی ہے۔ اس کے علاوہ روزہ میں ہر امیر و غریب گورے کالے کیلئے بہترین طبی منافع ہیں کہ سال بھر میں جتنے فاسد مادے جسم میں جمع ہو گئے ہیں روزہ کی حرارت ان کو سادہ اور قدرتی طور پر فنا کر دیتی ہے۔ اخلاط کی تعدیل کرتی اور مزاج کو صحیح اور معتدل بناتی ہے۔

معدہ اطباء کے نزدیک ایک چکی ہے جو غذا کو پیس پیس کر رقیق القوام بناتا ہے اور معتدل و مصفی کر کے جگر کو پہنچاتا ہے اور جگر میں اس کا صالح خون بن کر بذریعہ قلب تمام جوارح اور عروق میں پہنچتا اور بدل ما تحلل ہوا کرتا ہے چکی کا قاعدہ ہے کہ اگر دن رات چلتی رہے تو جلد خراب ہو جاتی ہے۔ البتہ ایسی چکی جو چند دن چلے اور کچھ دن بند رہے وہ عرصہ تک کام دیتی ہے۔ یہی حال انسان کا ہے جو تجربہ اور مشاہدہ سے عین الیقین تک پہنچ گیا ہے کہ روزہ دار اور کم کھانے والے اشخاص کی عمر ہمیشہ شکم سیر لوگوں سے کہیں زیادہ ہوتی ہے۔

حدیث شریف میں آیا ہے کہ حضور ماہ رمضان کے روزوں کے علاوہ سال بھر میں عموماً اور بھی روزے رکھا کرتے تھے اور صحابہ کرام کو بھی یہی تعلیم دیا کرتے تھے اور جب کھاتے تھے تو شکم سیر ہو کر نہ کھاتے تھے بلکہ بہت تھوڑی غذا کھاتے تھے۔ آپ فرمایا کرتے کہ تمہیں معدہ کے تین حصے کر لینے چاہئیں ایک غذا کے لئے اور ایک حصہ پانی کے لئے اور ایک حصہ یاد حق کے لئے۔

اندرون از طعام خالی دار   تا دراں نور معرفت بینی

حضور یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ "جب تک بھوک خوب نہ لگے کھانا نہ کھاؤ۔
اور ابھی بھوک باقی ہو تو کھانے سے ہاتھ اٹھالو"۔

یہ حفظان صحت کا وہ سب سے بڑا اصول ہے جسے آج دنیا تسلیم کر چکی ہے جب تک مسلمان اپنے ہادی کی اس تعلیم پر عامل رہے وہ بہت ہی کم حکیموں اور ڈاکٹروں کے محتاج ہوتے مگر جونہی انہوں نے اس عادت کو چھوڑا وہ مختلف امراض کے شکار بن گئے۔

یہ ایک تاریخی واقعہ ہے کہ صدر اوّل میں ایک بادشاہ نے مسلمانوں کی خدمت کے لئے اپنا ایک خاص طبیب بھیجا جو عرصہ تک مدینہ منورہ میں بیکار بیٹھا رہا اور اس کے پاس کبھی کوئی بیمار نہ آیا۔ بالآخر تنگ آکر اس نے پوچھا کہ اس کی کیا وجہ ہے کہ اتنے بڑے شہر میں آج تک ایک مریض بھی علاج کے لئے میرے پاس نہیں آیا؟ اسے بتایا گیا کہ مسلمانوں کو ان کے طبیب اعظمؐ نے یہ یہ ہدایات دے رکھی ہیں اور جب سے مسلمان ان پر عامل ہیں وہ صحت اور تندرستی کے لحاظ سے دنیا کی جملہ اقوام پر سبقت لے گئے ہیں۔ وہ طبیب یہ سن کر حیران رہ گیا اور مدینہ منورہ چھوڑ کر چلا گیا کہ جو قوم اپنے معدہ کی نگہداشت رکھتی ہے وہ کبھی بیمار نہیں ہو سکتی۔

اطبار کا مسلمہ اصول ہے کہ "پرہیز و احتیاط"، دوا و علاج سے بہتر ہے۔ قدرت کے اس اٹل اصول کی روزہ اور فاقہ میں جبقدر عملی اور کامل تعلیم ہے کسی اور تدبیر میں نہیں اور میں کہتا ہوں کہ روزہ اور اس کا فلسفہ اور اس کے لاثانی طبی منافع ایک تنہا شے اس حقیقت کو "سائنٹیفک طریقہ"، پر ثابت کرنے کے لئے موجود ہے کہ اسلام ہی دین فطرت ہے۔ اسلام ہی اصل قوانین فطرت

کے مجموعہ کا نام ہے اور اسلام ہی میں یہ طاقت ہے کہ ایک ایسا نظام دنیا کے روبرو پیش کرے جو وحشی اور مہذب۔ عزیب و امیر۔ اسود و احمر کے لئے یکساں طور پر مفید ہو اور ایک عالمگیر عملی نظام ثابت ہو۔

آپ بے شک اسلام کی ایک ایک تعلیم اور ایک ایک اصول کو طبی نقطہ نگاہ سے دیکھیں۔ یقیناً اس میں آپ کو بے شمار فوائد نظر آئیں گے۔

(۶) صحت و تندرستی قائم رکھنے کے لئے جہاں آپ نے سیر شکمی کی بجائے تقلیل غذا کو ترجیح دی ہے وہاں انواع و اقسام کے پُر تکلف اور مرغن کھانوں سے سادہ کھانوں کو افضل قرار دیا ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ آپ جَو کے آٹے کا سادہ آٹے کو جس میں چھان بورا بھی موجود ہوتا تھا زیادہ پسند کرتے تھے۔ سادہ آٹے کی خوبیاں معلوم کرنا ہوں تو جرمن ڈاکٹروں کا صرف ایک ہی قول سن لو۔ وہ لکھتے ہیں کہ "چھان بورا" سل اور دق نہیں ہونے دیتا

یونانی طب میں "چھان بورا" بطور دوائی کے کئی جگہ استعمال ہوتا ہے۔ زکام میں اس کا جوشاندہ مفید ہے۔ خفقان میں اس کا خیساندہ موجب تسکین ہے نمک کے ساتھ گرم کر کے ٹکور کرنا ہر جگہ درد کو آرام دیتا ہے۔ آٹے میں ملا کر کھانے سے قبض مطلقاً نہیں ہونے دیتا اور معدہ طاقت ور ہو جاتا ہے۔ امعاء کی رطوبتیں جذب ہو جاتی ہیں اور تمام اندرونی بیماریوں کو نافع ہے۔

(۷) کھانے کے بعد پانی کا درجہ ہے۔ آپ نے پانی پینے میں حفظ ما تقدم کے طور پر تعلیم دی ہے اور فرمایا ہے کہ پانی بیٹھ کر پینا چاہیئے اور یکدم ایک ہی سانس میں نہ پینا چاہیئے بلکہ تین سانس لے کر پینا چاہیئے۔ اس میں یہ فائدہ ہے کہ آدمی کو معلوم ہو جاتا ہے کہ مجھے کتنی پیاس ہے اور اپنی پیاس کے موافق پانی پیئے گا اور اس طرح ویسے بھی کم پانی پیا جائے گا۔ ایک ہی بار پینے سے

آدمی زیادہ پانی پیتاہے جو اس کے لئے تکلیف دہ ثابت ہوتا ہے۔

(۸) داڑھی اور مونچھوں کے متعلق جو آنحضرت نے حکم دیاہے اگر بغور دیکھا جائے تو مذہبی شعار کے علاوہ اس میں بھی ہمارا ہی فائدہ ہے جو حضور نے طبی نقطہ نگاہ سے بطور حفظ ماتقدم ہمیں بتا دیا۔ اَحْفُوا الشَّوَارِبَ وَاَدْفُرُوا اللُّحٰی مونچھیں کٹاؤ اور داڑھی بڑھاؤ۔ یہ الگ بات ہے کہ آج ہم حضور کے اس ارشاد کا الٹ کر رہے ہیں ۔ داڑھی منڈاتے ہیں اور مونچھیں بڑھاتے ہیں مگر حقیقت یہ ہے کہ ہمارا یہ فعل ہمارے ہی لئے مضر ہے اور اس میں سراسر ہمارا ہی جسمانی نقصان ہو رہا ہے۔

مونچھوں کے لمبے بال جس قدر ہمارے لئے مضر اثر کر سکتے ہیں وہ ایک سطحی نظر سے معلوم ہو سکتا ہے۔ کون نہیں جانتا کہ ناک کے ذریعہ سے معدہ قلب ۔ دماغ بلکہ تمام بدن کے بخارات متعفّنہ اور رطوبات لزجہ دفع ہوتی ہیں اور مونچھوں کے بال سب سے پہلے ان سے متاثر ہو کر زہریلا اثر پیدا کرتے ہیں۔ اس لئے ان کو اس قدر کٹوانے کا حکم ہواہے کہ وہ ہماری خورد و نوش کی چیزوں میں نہ ڈوب سکیں اور نہ ہی انسانی خوراک ان کے ملنے سے زہریلا اثر قبول کر سکے۔

اسی طرح داڑھی کے متعلق بھی اب ڈاکٹروں نے یہ تسلیم کر لیاہے کہ دراصل قدرت نے یہ ہمارے جبڑے اور دانتوں کی حفاظت کے لئے پیدا کر رکھی ہے یہ ایک مفید چیز ہے جس سے ہم جبڑے اور دانتوں کی اکثر تکالیف سے محفوظ رہ سکتے ہیں ۔

واشنگٹن کے مشہور ڈاکٹر اے میکڈانلڈ نے اپنی جدید تحقیقات کی بنا پر لکھاہے کہ میں نے اس جانچ کے لئے ۳۵ مضبوط اور تندرست آدمیوں پر تجربہ کیا

جن کی عمر ۲۵ سے ۴۰ سال کے درمیان تھیں۔ پہلے وہ داڑھی رکھتے تھے بعد میں منڈوانی شروع کر دی نتیجہ یہ ہوا کہ ان میں سے صرف ۱۴ آدمی صحیح وسلامت رہے اور باقی سب آدمی دانتوں اور جبڑے کی شکایت میں مبتلا ہو گئے۔

پھر یہی ڈاکٹر لکھتا ہے کہ:

"داڑھی والے لوگوں کو بہت کم پھیپھڑے کی شکایت ہوتی ہے نیز تجربہ سے ثابت ہوا ہے کہ داڑھی متواتر منڈوانے سے انسان کی عمر کم ہو جاتی ہے اور وہ قبل از وقت مر جاتا ہے"

المختصر حضور کے ہر ایک حکم میں بہت سے طبی فوائد مضمر ہیں۔ آپ نے ناخن ترشوانے۔ بغلوں کے بال اتروانے اور زیر ناف بال لینے کے متعلق جو ارشاد فرمایا ہے اور اسے اپنی سنت و امور فطرت سے ٹھہرایا ہے، اس میں بھی یہی حکمت مضمر ہے۔

(۹) قوت بینائی کو بحال رکھنے کے لئے آپ نے بطور حفظ ماتقدم ہمیں سرمہ استعمال کرنے کی تلقین کی۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ حضور روزانہ رات کو سرمہ استعمال فرمایا کرتے تھے۔

عرب میں ایک عورت زرقا نامی گزری ہے وہ اپنی تیزئ بصارت کی وجہ سے بہت مشہور تھی۔ یہاں تک کہ وہ تین دن کے راستہ تک دیکھ سکتی تھی۔ ڈاکٹروں نے جب اس کی بینائی کی تحقیق کی تو سوائے سیاہ رنگوں کے اور کچھ نظر نہ آیا۔ اس سے پوچھا گیا تو اس نے جواب میں کہا کہ میں صرف کھجور اور مکھن کھاتی ہوں۔ ڈاکٹروں نے تسلیم کر لیا کہ یہی وجہ ہے کہ اس کی نگاہ اس قدر تیز واقع ہوئی ہے۔

اب بھی جو پرانے لوگ موجود ہیں ہماری نسبت ان کی نظریں بہت تیز ہیں

اور اس کی یہی وجہ ہے کہ وہ سرمہ استعمال کرتے ہیں اور ہم بجائے سرمہ کے عینک لگاتے ہیں۔

ذرا غور کرو حضور سرور عالم طبیب اعظم کے ان ارشادات پر جو بظاہر ہمیں مسئلے کی شکل میں معمولی نظر آتے ہیں مگر حقیقت میں وہ اپنے اندر کس قدر طبی فوائد رکھتے ہیں کہ ہماری صحت و تندرستی کا انحصار انہی پر موقوف ہے۔

حضور نے جہاں ہمیں حفظان صحت کے اصول سکھائے ہیں وہاں عند الضرورت بعض مریضوں کو علاج بھی بتلاتے تاکہ آنے والی نسلیں اصولِ علاج سے بھی آگاہ ہو جائیں۔ آپ نے علم طب کسی استاد سے حاصل نہیں کیا اور نہ ہی اس کے متعلق کسی سے نسخے دریافت کئے بلکہ یہ فن وہبی طور پر آپ کو خدا کی طرف سے عطا کیا گیا تاکہ آپ ساری دنیا کے استاد بن جائیں۔ اور سب لوگ اپنے اپنے فن میں آپ سے سبق حاصل کریں۔

کتب احادیث و سیر میں اس باب کے متعلق آپ کے بہت سے واقعات درج ہیں مگر ہم بطور مشتے از خروارے صرف چند ایک نقل کئے دیتے ہیں۔

(۱) شہد ایک نہایت مفید چیز ہے جس کے متعلق اطبائے یونان نے بہت کچھ لکھا ہے مگر حدیث میں وارد ہے کہ حضور شہد کو بہت پسند فرماتے تھے اور اکثر اس کا استعمال کیا کرتے تھے بلکہ فرمایا کرتے تھے کہ اگر تندرست آدمی مہینے میں چار دفعہ بقدرِ اشتہار شہد استعمال کر لیا کرے تو ہمیشہ ہی تندرست رہ سکتا ہے اور جملہ امراض کے حملوں سے محفوظ رہ سکتا ہے۔

کسی کو بدہضمی کے اسہال آ رہے تھے۔ آپ سے پوچھا گیا تو آپ نے شہد بتایا۔ اس کے استعمال کرنے سے اسہال زیادہ ہوئے بیمار کی طرف سے شکایت پہنچی تو آپ نے فرمایا کہ یہی استعمال کریں۔ چنانچہ پھر استعمال کیا گیا تو فوراً آرام

ہو گیا۔ اصل بات یہ تھی کہ آپ نے معلوم کر لیا تھا کہ اس کے بدن میں ردی مواد جمع ہو گئے ہیں۔ جب تک وہ پورے طور پر نہیں نکلیں گے آرام نہیں ہو گا چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

(۲) ایک عورت کا بچہ بیمار ہو گیا۔ کسی نے کہا مالش کرو۔ مالش کرنے سے اس کی شکایت اور بڑھی اور حضور کے پاس پہنچی آپ نے فرمایا کہ مالش سے اسے دکھ نہ دو، عود ہندی کا سفوف دو۔ اس نے یہی کیا اور بچے کو آرام ہو گیا۔

(۳) ایک شخص کو ذات الجنب (پسلی کا درد) تھا۔ آپ نے فرمایا کہ عود بحری اور روغن زیتون کا استعمال کرو۔ عود بحری ایک ایسی سیاہ لکڑی ہے کہ پانی میں فوراً ڈوب جاتی ہے۔ مزہ میں تلخ اور رنگت میں بھوری یا سیاہ ہوتی ہے۔ عود البحر کا کچھ کرشمہ دیکھنا ہو تو اسے پیس کر قدرے سنبل الطیب اور لونگ ملا کر شہد میں گولی بناؤ اور کھاؤ۔ پھر آپ کو معلوم ہو گا کہ ہمارے آقائے نامدار کی منتخب کردہ دوائی کیا چیز ہے۔

(۴) عرب چونکہ گرم آب و ہوا کی وجہ سے صفراوی یا خونی بخار ہوتا تھا اور وہاں کا مقامی مروجہ علاج شبرم سے کیا جاتا تھا جو ایک سخت گرم اور زہریلے دانے ہوتے ہیں تو آپ نے اس کی اصلاح کر کے یوں فرمایا کہ سنامکی استعمال کیا کرو۔ مکہ کے علاوہ ہندوستان یا دوسرے پہاڑی علاقوں میں جو سنا ہوتی ہے اس میں وہ فوائد نہیں جو کہ مکے کی سنا میں موجود ہیں۔ اگر ہیں بھی تو بہت کم زور مقدار پر۔ مکے کی سنا چھوٹی پتی والی اور لطیف ہوتی ہے اور دوسرے علاقوں کی سنا رسبزی مائل بہ سپیدی ہوتی ہے اور پتی بھی غلیظ اور کرخت دکھائی دیتی ہے۔ سنا مکی انسانی جلد کو صاف کرتی ہے۔ صفراوی خارش کی عمدہ دوا

ہے۔ مختصر یہ کہ لائق طبیب سنا اور سنا کے مرکبات سے تمام بیماریوں کا علاج کر سکتا ہے۔ اس میں بڑی خوبی یہ ہے کہ باوجودیکہ مسہل ہے پھر معدہ کو تقویت دیتی ہے اور بدن میں چستی پیدا کرتی ہے۔ اس کے استعمال کرنے سے بدن میں ردی مواد جمع نہیں ہوتے اور نہ وہ مادی بیماریوں سے نڈھال ہوتا ہے۔

(۵) آپ نے یہ بھی فرمایا کہ شونیز (کلونجی) تمام بیماریوں کی دوا ہے۔ کلونجی ایک گرم و خشک دوائی ہے۔ سیاہ دانے چھوٹے چھوٹے اور تیز ہوتے ہیں۔ سرد مزاج والوں کے لئے نہایت مفید ہے۔ گرم مزاج والوں کو سرکہ کے ساتھ استعمال کرنی چاہیئے۔ سرکہ میں ملانے سے خارش کے لئے بھی فائدہ مند ہو جاتی ہے۔ بلغمی اور صفراوی بخاروں کو دور کرتی ہے۔ معدہ و امعاء دماغ اور ناک اس کے استعمال سے صاف رہتے ہیں۔ اس کے اور بھی بہت سے فوائد ہیں جو اطبار سے مخفی نہیں

(۶) بخار کا ذکر ہو رہا تھا تو حضور نے فرمایا کہ صفراوی یا بادی بخار دوزخ کی گرمی ہے۔ اسے پانی سے سرد کرو یعنی جسے بخار آتا ہو وہ صبح سویرے اٹھے اور کسی نالہ یا نہر پر چلا جاوے۔ جو مغرب کو بہہ رہی ہو۔ مشرق کو منہ کر کے جدھر سے پانی آ رہا ہو غسل کرے۔ دو تین ہی روز میں آرام ہو جائے گا۔

یہ وہ علاج ہے جس پر جرمن کے ڈاکٹر آج نازاں ہیں کہ بغیر دوائی کے علاج کیا جاتا ہے۔ انہوں نے ٹب تیار کرا رکھے ہیں۔ ان میں بیمار کو بٹھا کر غسل دیتے ہیں۔ چند دن کے بعد وہ اچھا ہو جاتا ہے۔

(۷) عرب میں اگر کسی کا خون خراب ہو جاتا، تو وہ لوہا تپا کر اسے داغ دیا کرتے تھے جس سے انسان کو نہایت تکلیف ہوا کرتی تھی۔ آپ کو پتہ چلا تو آپ نے ایسا کرنے سے منع کر دیا اور فرمایا کہ ایسی صورت میں بجائے داغ دینے کے تمہیں پچھنے لگوا دینے چاہئیں۔ چنانچہ اس کے بعد جب کسی

کو کوئی خون کی بیماری ہوتی تو وہ پچھنے لگوا کر کچھ خون نکلوا دیتا جس سے اُسے آرام ہو جاتا۔

آجکل پچھنے کی بجائے عام طور پر جونکیں لگوا دی جاتی ہیں۔ مگر بات ایک ہی ہے۔

(۸) سرکہ انگوری کے متعلق آپ نے ارشاد فرمایا کہ یہ سب سے عمدہ خوراک ہے۔ کھانا ہضم کرتا ہے، بدن کی گرمی کو توڑتا ہے۔ ہیضہ کی حکمی دوا ہے۔ متلی، قے اور ضعف معدہ کے لئے نافع ہے۔

آپ کو ذاتی طور پر بھی سرکہ مرغوب الطبع تھا۔ آپ اکثر اس کا استعمال فرمایا کرتے تھے۔

(۹) حضرت علیؓ ایک دفعہ بیمار ہو گئے۔ بخار اُتر چکا تھا مگر نقاہت باقی تھی حضور نے فرمایا ماء الشعیر پیا کرو۔ اس سے قوت بحال ہو جائے گی۔

(۱۰) آپ نے منشّی اشیاء سے سب کو منع کر دیا تھا اور دواءً بھی اس کا استعمال جائز نہیں رکھا تھا۔ فرمایا کہ "ہر مسکرات حرام ہے اور کسی مسکر میں اللہ تعالےٰ نے شفا نہیں رکھی"۔ شراب کو ام الخبائث کا درجہ دیا گیا اور فرمایا کہ دل و دماغ اور جگر کو تباہ کر دیتی ہے۔ پھیپھڑے کو برباد کر دیتی ہے اور جسم کی معنوی قوت کو خراب کر دیتی ہے۔

اب تو جدید سائنٹیفک تحقیقات نے شراب (اور دیگر مسکرات) کی برائیوں کو سائنس کی روشنی میں بالکل بے نقاب کر دیا ہے۔ سلطنتیں ممانعت شراب کو اپنا ضابطہ اور قانون قرار دے رہی ہیں اور امریکہ میں ڈاکٹروں کی مجلسیں اس کے بطور دواء استعمال کرنے کے فوائد کا بھی اعلانیہ انکار کر رہی ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم
عابدوں کے لئے نمونہ

عبادت گزاروں کو عبادت بھی کرنی چاہیئے اور ساتھ ہی دنیاداری کے فرائض بھی اسلامی طریقے سے ادا کرنے چاہئیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مبارک زندگی رہبانیت کے خلاف بھی جہاد ہے۔ آپ کثیر المشاغل ہوتے ہوئے عبادت کے لئے وقت نکال لیتے تھے اور جب اپنے پروردگار کے سامنے کھڑے ہوتے تو معلوم ہوتا کہ اس کے سوا آپ کو اور کوئی کام ہی نہیں۔ دن کو سخت مصروفیت رہتی اور آپ رات کے پہلے حصے میں تھوڑا سا آرام فرماکر باقی ساری رات عبادت میں گزار دیتے۔ آپ اس کثرت کے ساتھ نماز پڑھتے تھے کہ پاؤں پھول کر پھٹ پھٹ جاتے تھے۔ صحابہ کرام اس محنت شاقہ کو دیکھ کر عرض کرتے "یارسول اللہ خدا نے تو آپ کو تمام اگلے پچھلے گناہوں سے پاک کر دیا ہے پھر آپ کیوں اس قدر مصروف عبادت رہتے ہیں؟" آپ نے فرمایا "کیا میں خدا کا شکر گزار بندہ نہ بنوں؟"

صحیح مسلم میں حضرت عبداللہ بن عباس سے مروی ہے کہ ایک رات میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بسر کی۔ ابھی تھوڑی رات گزری تھی کہ حضور اٹھ

کھڑے ہوئے ۔ وضو کیا نماز پڑھی جس میں قیام، رکوع اور سجود کو بہت دراز کیا پھر سو گئے یہاں تک کہ خراٹے لینے لگے ۔ پھر اٹھے اور اسی طرح نماز پڑھی۔

ایک حدیث سے معلوم ہوا کہ آپ رات میں تین بار اٹھے اور نماز پڑھی جس سے سونے سے بیزاری اور نماز سے تسکین کا سبق ملتا ہے ۔ اگرچہ آپ کا سونا بھی ایک عبادت تھا لیکن اُمت کی تعلیم کے لئے یہ سب کچھ تھا۔ عبادت کا ذوق و شوق پیدا کرنا مقصود تھا۔ حضرت ابو عبداللہ حذیفہ بن یمان سے مروی ہے کہ میں نے ایک رات نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی ۔ آپ نے پہلی رکعت میں سورۃ فاتحہ کے بعد سورۃ بقر شروع کی میں نے خیال کیا کہ اس کو ختم کر کے آپ رکوع کریں گے لیکن آپ نے اس کے بعد سورۃ نساء شروع کر دی۔ پھر میں نے خیال کیا کہ شاید یہ سورۃ ختم کر کے رکوع میں جائیں گے۔ مگر آپ نے نساء ختم کر کے سورۃ آل عمران شروع کر دی ۔ آپ قرآن مجید نہایت ٹھہر ٹھہر کر ترتیل کے ساتھ پڑھتے تھے۔ جس آیت میں تسبیح کا ذکر ہوتا تسبیح کہتے اور جہاں سوال یا دعا کا موقعہ ہوتا دعا مانگتے۔ سورۃ آل عمران ختم کر کے آپ نے رکوع کیا اور اس خشوع سے کیا کہ وہ رکوع بھی قیام کی مثل طویل ہو گیا۔ پھر سمع اللہ لمن حمدہ کہا اور رکوع کی طرح دیر تک قیام کیا ۔ پھر سجدہ کیا۔ اپ کا سجدہ بھی قیام کے قریب تھا۔ آپ کی عبادت کا یہ مختصر نقشہ ہے ۔

حضرت مغیرہ بن شعبہ بیان کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم رات کو اس قدر قیام فرماتے کہ آپ کی پنڈلیوں پہ ورم ہو جاتا۔ جب آپ سے اس بارے میں عرض کیا جاتا کہ آپ کیوں اس قدر مشقت فرماتے ہیں ۔ اللہ تعالےٰ نے آپ کو جنت کی بشارت اور حوضِ کوثر کی خوش خبری سنائی ہے تو آپ نے فرمایا اَفَلَا اَکُوْنَ عَبْدًا شَکُوْرًا " (کیا میں اس کا شکرگزار بندہ نہ ہوں) اُمّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ

سے مروی ہے کہ جب رمضان المبارک کا آخری عشرہ ہوتا تو آپ ساری ساری رات عبادت کرتے رہتے اور اپنے گھر کے لوگوں کو بھی بیدار کرتے اور تہبند مضبوطی سے باندھ کر عبادت میں مصروف ہو جاتے۔ حضور نے امت کو اپنے خدا کے حضور جھکنے کا قرینہ سکھایا اور سبق دیا۔

یہ ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے
ہزار سجدے سے دیتا ہے آدمی کو نجات

جو مخلوق خدا سے ہٹ چکی تھی اور دنیا میں جھوٹے خداؤں کی پرستار بن چکی تھی اسے دوبارہ خدا سے ملانا آپ ہی کا کام تھا۔ آپ نے بندوں کو خدا سے ہمکلام کر دیا۔ دعا کی دولت عطا کی۔ بندگی کی لذت عطا فرمائی۔ انسانیت کو اذن باریابی ملا۔ آپ نے دعا کو مغز عبادت قرار دیا۔ مصائب و آلام سے ستائے ہوئے لوگ آپ کے پاس آتے تو انہیں رجوع الی اللہ کی تلقین کی جاتی اور ایسی دعائیں تعلیم کی جاتیں کہ خدا تعالے کی ہیبت و جلال دلوں پر وارد ہوتی اور اس کی کارسازی آڑے آتی۔ آپ نے مختلف مقاصد کے لئے صحابہ کرام کو جو وظیفے تعلیم فرمائے وہ ایک بحر ذخار ہے۔ امت آج تک ان سے فیض یاب ہو رہی ہے آپ کی دعائیں احادیث میں محفوظ ہیں اور اس موضوع پر لاتعداد تصانیف دستیاب ہیں۔ آپ کی ان دعاؤں پر نظر ڈالیں تو معلوم ہو گا کہ دنیا کا کوئی بڑے سے بڑا ادیب بھی خدا کے سامنے اپنی بے بسی کا نقشہ کھینچنے، فکر و احتیاج بیان کرنے اور دریائے رحمت کو جوش میں لانے کے لئے اس جیسے موثر اور دلآویز الفاظ نہیں لا سکتا جو خدا کی عظمت و کبریائی اپنی ناتوانی و بے نوائی کو ظاہر کر سکیں۔ آپ کی دعاؤں کے الفاظ ایسے ہیں کہ ان کو پڑھا جائے تو آج بھی دل امنڈ آتا ہے، آنکھیں اشکبار ہو جاتی ہیں اور رحمت خداوندی صاف متوجہ ہوتی نظر آتی ہے

رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم پر اللہ کی لاکھوں کروڑوں رحمتیں ہوں کہ ایسی پرکیف اور اثر آفریں دعائیں امت کو سکھادیں۔ اور "باب رحمت" پر دستک دینے کا راستہ بتادیا۔ دیکھئے یہ کس قدر جامع دعا ہے" اَللّٰھُمَّ اَصْلِحْ لِی دِینِیَ الَّذِی ھُوَ عِصْمَةُ اَمْرِی وَاَصْلِحْ لِی دُنْیَایَ الَّتِی فِیھَا مَعَاشِی وَاَصْلِحْ لِی آخِرَتِی الَّتِی فِیھَا مَعَادِی وَاجْعَلِ الْحَیَاةَ زِیَادَةً لِی فِی کُلِّ خَیْرٍ وَاجْعَلِ الْمَوْتَ رَاحَةً لِی مِنْ کُلِّ شَرٍّ" اے اللہ میرا دین درست کر دے جو میرے لئے بچاؤ ہے۔ میری دنیا درست کر دے جس میں میری روزی ہے۔ میری آخرت درست کر دے جہاں مجھے واپس جانا ہے اور زندگی کو ہر بھلائی میں ترقی کے ذریعے اور موت کو ہر برائی سے بچنے کا ذریعہ بنا دے)

اور یہ دعا بھی... اَللّٰھُمَّ اَسْئَلُکَ نَعِیْماً لَا یَنْفَدُ وَقُرَّةَ عَیْنٍ لَا یَنْقَطِعُ وَاَسْئَلُکَ الرِّضَا بِالْقَضَاءِ وَبَرْدِ الْعَیْشِ بَعْدَ الْمَوْتِ وَلَذَّةِ النَّظَرِ اِلٰی وَجْھِکَ وَالشَّوْقِ اِلٰی لِقَائِکَ ۞ (اے میرے اللہ تجھ سے ایسی نعمت مانگتا ہوں جو ختم نہ ہو۔ ایسی آنکھوں کی ٹھنڈک جو منقطع نہ ہو اور تیری قضا پر شاکر راضی رہنا۔ موت کے بعد خوش عیشی اور تیرے دیدار کی لذت اور تیری دید کا شوق)

ہم نے دانستہ دعاؤں کے سمندر سے صرف چند چھینٹوں پر اکتفا کیا ہے اور ایک چھوٹی سی مگر پُرمعنے دعا پر اس باب کو ختم کرتے ہیں:۔ اَللّٰھُمَّ اجْعَلْ اَوْسَعَ رِزْقِکَ عَلَیَّ عِنْدَ کِبَرِ سِنِّی وَانْقِطَاعِ عُمُرِی (اے اللہ میری زیادہ کشادہ روزی میرے بڑھاپے اور خاتمے کے وقت نصیب کر)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم منصفوں کے لئے نمونہ

قدرت نے جہاں حضورؐ کو اور بہت سی خصوصیتوں سے سرفراز فرمایا تھا وہاں آپ کو عدل و انصاف اور قوت فیصلہ کا وہ بے نظیر ملکہ بھی عطا کر دیا تھا کہ جس کی مثال کسی دوسرے میں ملنا ناممکن ہے۔

جو مسائل بڑے بڑے دماغ حل نہ کر سکتے تھے آپ نے معمولی باتوں ہی میں طے کر دیئے۔ الجھے ہوئے معاملات اور باہمی اختلافات کا تصفیہ اس خوبصورتی سے فرماتے کہ ہر فریق مطمئن اور مسرور ہو کر واپس جاتا۔

ہر عادل اور منصف جج کے لئے ضروری ہے کہ وہ ذاتی اغراض سے بے نیاز ہو کر فریقین سے حسن سلوک کا برتاؤ کرے۔ کسی کی ناجائز جانب داری نہ کرے اہل معاملہ بلا امتیاز مذہب، ملت، قوم و نسل اس پر اعتماد کریں۔ وہ قرائن، شواہد اور استنباط سے خوب کام لے۔ واقعات کو کھوج کھوج کر نکالے۔ گواہوں اور قسموں سے مقدمات میں وضاحت پیدا کرے۔ اپنی محنت اور کوشش سے بینات بہم پہنچائے اور اپنی معاملہ شناس طبیعت سے مقدمات حل کرے اور فیصلہ

کے وقت اپنی طبیعت کو جوش اور غصہ سے الگ رکھے۔ اگر یہ جملہ اوصاف کسی جج میں موجود ہوں تو یقیناً وہ جج کہلانے کا مستحق ہے ورنہ بصورت دیگر وہ صحیح معنوں میں جج یا منصف یا قاضی نہیں کہلا سکتا۔

مذکورہ بالا اوصاف کی بنا پر جب ہم حضورِ پُر نور کی زندگی پر ایک نگاہ ڈالتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ نہ صرف حضورؐ ایک کامل جج کی حیثیت سے مبعوث ہوئے ہیں بلکہ ایک جج ساز کی حیثیت میں تشریف لائے ہیں۔ آپ کی سیرت، آپ کے عدل و انصاف آپ کے فیصلے کو دیکھ دیکھ کر سینکڑوں نہیں بلکہ ہزاروں جج بن گئے اور آج تاریخ اسلام اس پہ نازاں ہے کہ عدل و انصاف کے جو نمونے ہمارے ججوں نے پیش کئے ہیں اس مہذب اور متمدن دنیا کا کوئی اور جج ایسا نمونہ پیش نہ کر سکا اور نہ ہی قیامت تک پیش کر سکے گا۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نبوت سے پیشتر ہی مکہ میں حکم تسلیم کئے جا چکے تھے آپ کو امین اور صادق کا خطاب مل چکا تھا۔ بچہ بچہ جانتا تھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم جو کچھ کہتے ہیں اور جو کچھ کرتے ہیں وہ بالکل صحیح ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ ابوجہل جیسا مخالف بھی نبوت سے قبل آپ کی ان خوبیوں کا معترف رہا اور نبوت کے بعد بھی وہ آپ کی ذات سے پرخاش نہ رکھتا بلکہ اس چیز سے دشمنی رکھتا تھا جو حضورؐ پیش کرتے تھے۔ چنانچہ یہ آیت اسی شان میں نازل ہوئی اِنَّهُمْ لَا يُكَذِّبُوْنَكَ وَلٰكِنَّ الظّٰلِمِيْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ ۝ (وہ تجھ کو تو نہیں جھٹلاتے ظالم، آیاتِ الٰہی سے انکار کرتے ہیں)

ربیع بن خثیم سے مروی ہے کہ اسلام سے پہلے جاہلیت کے زمانہ میں بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم حَکَم بنائے جاتے تھے اور آپ کے پاس فیصلے آیا کرتے تھے اور آپ کے فیصلے تمام قبائل میں بنظرِ استحسان دیکھے جایا کرتے تھے۔

۱۔ دوسرے چھوٹے چھوٹے مقدموں کے علاوہ حجر اسود کا وہ اہم مقدمہ بھی حضورؐ ہی کے ہاتھوں فیصل ہوا جس کی وجہ سے تمام قبائل میں عداوت کی آگ مشتعل ہو گئی تھی اور قریب تھا کہ اس معاملے پر وہ جنگ وجدل ہوتا کہ خون کی ندیاں بہہ جائیں اور کشتوں کے پشتے لگ جاتے مگر جب انہوں نے حضورؐ پر یہ فیصلہ ڈال دیا تو آپ نے ایک قطرہ خون گرائے بغیر اس خوبی سے اس جھگڑے کو چکا دیا کہ مخالفین بھی اس کی داد دیئے بغیر نہیں رہ سکے۔

واقعہ یہ تھا کہ حضورؐ کی بعثت سے ۵ سال قبل بیت اللہ کی چھت کو آگ لگ گئی جس سے وہ مسمار ہو گیا اور عربوں نے باہم مل کر از سرِ نو اس کو بنانا چاہا جب حجر اسود کو نصب کرنے کا وقت آیا تو یہ سوال اٹھا کہ اس متبرک خدمت کو کون سرانجام دے۔ ہر ایک کی دلی خواہش یہی تھی کہ یہ کام میرے سپرد ہو اور میں ہی اس متبرک خدمت کو سرانجام دوں۔ چنانچہ ہر ایک نے جداگانہ اپنے اپنے استحقاق پر زور دیا اور یہاں تک کہہ دیا کہ اگر میرے سوا کوئی اور حجرِ اسود کو ہاتھ لگائے گا تو اسے اپنی جان سے ہاتھ دھونا پڑیں گے۔ اس جھگڑے نے یہاں تک طول پکڑا کہ تمام قبائل بگڑ گئے اور ایک دوسرے کے مقابلہ پر ڈٹ گئے۔

مدبرین نے ہزار ہا چاہا کہ یہ معاملہ کسی طرح نپٹ جائے اور تمام قبائل کسی ایک شخص پر متفق ہو جائیں مگر ایسا نہ ہوا۔ کئی بہتر سے بہتر تجویزیں پیش کی گئیں مگر سب ناکام ثابت ہوئیں۔ بالآخر سبھی نے مل کر حضورؐ کی طرف رجوع کیا اور بیک آواز کہا هٰذَا اَمِیْنٌ هٰذَا اَمِیْنٌ ہاں ہاں یہ منصف منظور ہے کیونکہ ہم سب سے زیادہ سچا اور سب سے بڑا امین ہے۔

آپ نے اس سب سے پوچھا کہ میں جو فیصلہ کروں کیا تم سب کو منظور ہو گا۔ انہوں نے کہا ضرور۔

آپ نے اُن تمام قبیلوں میں سے ایک ایک نمائندہ منتخب فرمایا اور خود حجرِ اسود اٹھا کر ایک مضبوط چادر پہ رکھ دیا اور ان نمائندوں سے کہا کہ سب چادر کے کونے پکڑ کر اٹھالو اور اُسے اپنی اصلی جگہ پر رکھ دو۔ آپ کے اس فیصلہ سے تمام لوگ خوش ہو گئے۔ اور جھگڑا وہیں ختم ہو گیا۔

آپ نے اپنے زمانہ حکومت میں بہت سے قاضی مقرر کر رکھے تھے جو مختلف محلوں میں رہتے تھے اور اپنے اپنے حلقہ کے جھگڑے وہیں مٹا دیا کرتے تھے۔ اگر کوئی اہم مقدمہ ہوتا تو وہ حضورؐ کے پاس بھیج دیا جاتا یا کسی فیصلہ کی اپیل کرنی ہوتی تو وہ حضورؐ کی عدالت میں پیش ہوا کرتی۔

۲۔ ایک دفعہ ایک یہودی اور مسلمان کے درمیان جھگڑا ہو گیا۔ یہودی نے کہا چلو محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا فیصلہ کرالیں (کیونکہ یہودی جانتے تھے کہ آپ اعلیٰ درجہ کے منصف ہیں اس لئے اپنے اکثر مقدمات حضورؐ ہی کے پاس لایا کرتے تھے) وہ مسلمان چونکہ جھوٹا (منافق) تھا۔ اس لئے وہ حضورؐ کے سامنے آنے سے ہچکچاتا تھا کہنے لگا کہ چلو تمہارے یہودی سردار کعب بن اشرف کے پاس مقدمہ لے چلیں۔ وہ قریب بھی ہے اور تمہارا ہم مذہب بھی ہے۔

یہودی جانتا تھا کہ وہ رشوت خوار ہے جو زیادہ رشوت دیتا ہے اسی کے حق میں فیصلہ صادر کرتا ہے۔ اس لئے اس نے حضورؐ ہی کے پاس مقدمہ لے جانے پر اصرار کیا۔ مسلمان کو ماننا پڑا۔ مقدمہ پیش ہوا۔ شہادتیں لی گئیں اور حضورؐ نے فیصلہ یہودی کے حق میں دیدیا۔

باہر نکل کر منافق مسلمان نے یہودی سے کہا آخر حضورؐ بھی تو انسان ہی ہیں ممکن ہے کہ غلطی کھا گئے ہوں۔ چلو عمر فاروقؓ کی کچہری بھی راستہ ہی میں ہے۔ اس سے بھی فیصلہ لیتے چلیں۔

جب وہاں پہنچے اور مقدمہ پیش ہوا تو یہودی نے پچھلی سرگذشت سنادی اور کہا کہ بڑی کچہری کا فیصلہ میرے حق میں ہو چکا ہے اور چونکہ اسے اس پر اطمینان نہیں ہے اس لئے اب جناب کی طرف مقدمہ لایا ہے۔

حضرت عمرؓ اُٹھے، اندر گئے اور تلوار لاکر اس مسلمان کا سر تن سے جدا کر دیا اور فرمایا کہ جسے حضورؐ کے فیصلہ پر اعتماد نہیں ہے۔ اس کی سزا یہی ہے۔

یہ ایک آئینی غلطی تھی جو اس منافق سے ہوئی کہ عدالت اعلٰے کی اپیل عدالت ماتحت میں کی۔ اس غلطی کی بنا پر حضرت عمرؓ نے اُسے قتل کر دیا۔

جب اس قتل کی اطلاع حضورؐ کو ہوئی تو آپ نے حضرت عمرؓ سے پوچھا کہ آپ نے یہ کیا کیا؟ اتنے میں وحی الہٰی آئی جس نے حضرت عمرؓ کے فیصلہ کی تصدیق فرمائی اور اسی دن سے آپ کو "فاروق" کا لقب دیا گیا۔ یعنی حق و باطل میں فرق کرنیوالا۔

آپؓ کے پاس جو مقدمات آتے تھے وہ فوراً فیصل ہو جاتے تھے۔ نہ تاریخیں پڑتی تھیں نہ کچھ خرچ ہوتا تھا۔ اگر شاہد موجود ہوتے تو مدعی سے فوراً طلب کئے جاتے اگر اس معاملہ پر کوئی عینی شاہد نہ ہوتا تو مدعا علیہ پر یمین ڈال دی جاتی اور اس کے بعد مقدمہ کے مالۂ و ماعلیہ پر غور کر کے فیصلہ صادر کر دیا جاتا۔

جب تک مسلمانوں میں یہ اصول قائم رہا مسلمان صحیح معنوں میں حاکم اور جج بنے رہے مگر جونہی انہوں نے دوسروں کی دیکھا دیکھی تکلفات سے کام لینا شروع کیا انصاف و عدل کم ہوتا گیا۔ یہاں تک کہ آج جو کچھ ہم عدالتوں میں دیکھ رہے ہیں وہ انصاف نہیں بلکہ ظلم ہے جسے عدل کا جامہ پہنا دیا گیا ہے۔

آپ کی کچہری میں کسی قسم کا کوئی تکلف نہ ہوتا تھا۔ نہ دربان ہوتا نہ پہرہ دار نہ وکیل ہوتے نہ محرر، نہ رشوت لی جاتی نہ سفارش سنی جاتی۔ آپ مسجد کے بوریئے پر بیٹھ جاتے اور مدعا علیہ بھی اسی چٹائی پر آپ کے سامنے بیٹھ جاتے۔ آپ ایک

ایک کی بات سنتے، اس کے بعد اگر شاہدوں کی ضرورت ہوتی تو گواہ طلب کرتے اور وہیں بیٹھے بیٹھے ان پر بحث بھی ہو جاتی اور فیصلہ بھی صادر ہو جاتا۔

لطف یہ کہ بایں ہمہ آپ کا فیصلہ کبھی غلط نہ ہوتا اور آپ کو فیصلہ صادر کرنے میں کسی تکلف سے بھی کام نہ لینا پڑتا۔

۳۔ ایک دفعہ شرفائے قریش کی ایک عورت فاطمہ بنت الاسود چوری کے جرم میں پکڑی گئی۔ مقدمہ پیش ہوا، ثبوت بہم پہنچ جانے پر حضورؐ نے ہاتھ کاٹنے کا حکم صادر فرمایا۔ عمائدِ قریش نے شرافت نسب کی وجہ سے اس سزا کو باعثِ عار سمجھ کر کوشش کی کہ کسی طرح آپ فاطمہ کو بری کر دیں۔ اس کام کی تکمیل کے لئے حضرت اسامہ بن زید کو آپ کے پاس سفارشی بنا کر بھیجا۔ حضورؐ نے خفگی کے لہجہ میں اسامہ سے فرمایا (اس اسامہ سے جس سے حضورؐ بہت محبت فرمایا کرتے تھے) اے اسامہ اللہ کی مقرر کردہ سزا میں سفارش کو دخل دیتے ہو؟۔ خبردار! آئندہ ایسی غلطی کا ارتکاب نہ کرنا۔ اس کے بعد آپؐ نے حضرت بلالؓ کو حکم دیا کہ سب کو مسجد میں جمع کرو۔ جب لوگ آگئے تو آپ نے ایک تاریخی خطبہ ارشاد فرمایا جس کا ایک حصہ یہ تھا۔

"تم سے پہلی قومیں اس لئے ہلاک ہو گئیں کہ جب کوئی بڑا آدمی جرم کا ارتکاب کرتا تو اسے رہا کر دیتے اور غریبوں کو سزا دیا کرتے تھے۔ خدا کی قسم اگر فاطمہؓ بنت محمدؐ بھی چوری کرتی تو اس کا ہاتھ ضرور کاٹا جاتا"

کیا ایسا عدل و انصاف اور ایسی مساوات کا ثبوت کوئی دوسرا منصف بھی پیش کر سکتا ہے۔

۴۔ ایک دفعہ حضرت زبیر اور ایک انصاری میں کھیت کے پانی پر جھگڑا ہو گیا انصاری کہتا تھا پہلے میں دوں گا۔ مقدمہ حضرت کی خدمت میں پیش ہوا۔ آپ نے مقامِ متنازعہ کا نقشہ طلب کیا تو معلوم ہوا کہ اس پانی کے قریب حضرت زبیر کا کھیت ہے اور

اس کے بعد انصاری کا کھیت ہے اس لئے آپ نے فیصلہ یہ دیا کہ پہلے زبیر اپنے کھیت کو پانی لگا لیں اور اس کے بعد انصاری کو دیدیں۔

انصاری یہ سن کر جز بز ہوا اور کہنے لگا کہ حضرت زبیر آپ کے رشتہ دار ہیں اس لئے آپ نے ان کے حق میں فیصلہ دیا ہے۔ حضور کو اس کی یہ بات ناگوار معلوم ہوئی فرمایا کہ اے نادان اگر میں نے بھی انصاف نہ کیا تو پھر کون انصاف کرے گا؟ بخدا جس نے جنبہ داری سے کام لیا اور انصاف چھوڑ دیا وہ کبھی کامیاب نہیں ہو سکتا۔

۵۔ ایک دفعہ ایک مسلمان اور یہودی میں کسی بات پر تکرار ہو گئی۔ مسلمان نے اپنی گفتگو میں اس طرح قسم کھائی کہ قسم ہے اس خدا کی جس نے محمدؐ کو سب سے افضل پیدا کیا۔ یہودی نے بھی جواب میں اس طرح قسم کھائی کہ قسم ہے اس خدا کی جس نے موسیٰؑ کو سب سے افضل پیدا کیا۔ اس پر مسلمان نے غصہ میں آکر یہودی کے طمانچہ مار دیا۔ معاملہ آپ کی خدمت میں پیش ہوا۔ جھگڑا تو معمولی سی بات پر تھا جسے آپ نے وہیں سلجھا دیا۔ رہا طمانچے کا معاملہ اس پر آپ نے مسلمان کو خوب ڈانٹا اور زجر و توبیخ کی کہ جب اس نے یہ کہہ دیا تھا تو تمہیں خاموش ہو جانا چاہیئے تھا۔ موسیٰؑ میرے بھائی ہیں کسی مسلمان کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ کسی نبی کی تحقیر کرے۔

سبحان اللہ! کیا انصاف ہے کہ غیروں کے سامنے اپنوں کو ڈانٹا جاتا ہے کیا جنبہ داری سے کام لینے والے منصف اور مجسٹریٹ اس سے کچھ سبق لیں گے؟

۶۔ طائف کے محاصرہ پر جس رئیس (صخر) نے طائف کی حصار بندی کی تھی اس نے طائف والوں کو اتنا دبایا کہ وہ عاجز آکر مصالحت پر اتر آئے۔ صخر نے ان کی بہت سی اشیاء پر قبضہ کر لیا۔ جب امن و امان قائم ہو گیا تو مغیرہ نے حاکم طائف صخر کے خلاف حضورؐ کی عدالت میں دعوےٰ دائر کر دیا کہ اس نے ہمارے چشمہ پر آکر ناجائز قبضہ جما لیا ہے اور میری پھوپھی بھی بند کر رکھی ہے۔ حضورؐ نے صخر کو بلا کر جواب طلب کیا

اور کوئی معقول وجہ نہ پاکر اس کی پھوپھی واپس لادی اور چشمہ بنو سلمہ جو حکومت کے لئے ازبس ضروری تھا واپس دلا دیا حالانکہ صخر نے یہ ہر دو اشیاء اس وقت قبضہ میں کی تھیں جبکہ اہلِ طائف ابھی مسلمان نہ ہوئے تھے۔

اس واقعہ سے یہ اندازہ ہو سکتا ہے کہ اس وقت لوگ حکومت کے خلاف بھی بڑے بڑے سرداروں، رئیسوں اور حاکموں پر دعوے دائر کر دیا کرتے تھے کیونکہ انہیں عدالت عالیہ سے یہ توقع ہوتی تھی کہ وہاں ضرور انصاف ہو گا اور حق بحقدار رسید والا معاملہ ہو گا۔

۷۔ ایک دفعہ قبیلہ بنو ثعلبہ کے چند افراد مدینہ منورہ آئے تو ایک انصاری نے ان پر دعویٰ دائر کر دیا اور عرض کیا کہ حضورؐ ان کے مورث اعلیٰ نے ہمارے خاندان کے ایک شخص کو قتل کیا تھا۔ اس کے بدلے میں ان کا ایک آدمی قتل کرا دیجئے۔ حضورؐ نے فرمایا کہ ایسا نہیں ہو سکتا "کرے کوئی اور بھرے کوئی" قتل تو کرے مورثِ اعلیٰ اور پکڑا جائے آنے والی نسلوں کو، باپ کا بدلہ بیٹے سے نہیں لیا جا سکتا۔

انصاری جو پہلے بہت جوش میں بھرا ہوا بیٹھا تھا حضورؐ کی یہ تقریر سن کر ٹھنڈا ہو گیا اور اس نے اپنا دعوے واپس لے لیا کیونکہ وہ تو زمانہ جاہلیت کے خیال پر تھا۔ اسے اسلامی اخوت اور اسلامی قانون کا ابھی علم نہ ہوا تھا کہ اسلام کا اصول ہے لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ اُخْرٰی۔

الغرض حضورؐ کے بے شمار فیصلوں کی نقلیں کتب احادیث و سیر میں بھری پڑی ہیں۔ یہاں تو بطور نمونہ صرف چند ایک نقل کر دی گئی ہیں۔

بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر!

لادین ہو، دیندار ہو، مشرک ہو کہ کافر!
ہر شخص نے دی ہے تری عظمت کی گواہی

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کردار کی عظمت اور ہمہ گیر رحمت ہر شخص کو مجبور کرتی ہے کہ وہ آپ کی تعریف کرے۔ غور کا مقام ہے کہ اپنے اپنے مذہب کے بانی کی تعریف تو ہر کوئی کرتا ہے لیکن وہ جس کی تعریف پر اپنے اور غیر سب مجبور ہو جائیں اس کا مقام کیا ہوگا؟

بہت سے منفرد شہرت رکھنے والے غیر مسلموں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی از خود تعریف کی ہے۔ ان کے اقوال کا سلسلہ بہت طویل ہے لیکن ہم یہاں صرف چند کے خیالات نقل کرنے کے بعد موجودہ زمانہ کے ایک اہل قلم امریکن کا ذکر کریں گے۔ جس نے دنیا کے ایک سو عظیم انسانوں کی فہرست مرتب کی ہے اس کا قلم اس سچی بات کو بیان کرنے سے باز نہیں رہ سکا، کہ ان میں بانی اسلام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اوّل مقام پر آتے ہیں۔

جارج برنارڈ شا:۔ (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ایک عظیم ترین ہستی اور صحیح معنوں میں انسانیت کے نجات دہندہ ہیں۔

تھامس کارلائل:۔ نوع انسان خشک نیستاں کی مانند ایک شرارہ کی محتاج تھی کہ وہ محمدؐ کی صورت میں آیا اور تمام انسانیت کو منور کر گیا۔

نپولین بونا پارٹ :۔ محمد دراصل سردارِ اعظم تھے ۔ آپ نے اتحاد کا سبق دیا اور تنازعات کو ختم کر دیا۔ نتیجہ میں تھوڑی ہی مدت میں آپ کی اُمت نے نصف کے قریب دُنیا فتح کر ڈالی۔

ہیلٹی :۔ انسانیت کی تاریخ میں یہ اوّلین کوشش تھی کہ انسانوں کو خون کی بجائے دین کے نام پر ایک مرکز پر یکجا کیا گیا اور ایسی سلطنت کی بنا ڈالی گئی جس کا حاکم اعلےٰ خود رب العالمین ہے ۔ (حضرت) محمدؐ نے روحانی فرائض کے علاوہ ایسے فرائض بھی سرانجام دیئے جو سلطنت کے دستور سے تعلق رکھتے تھے ۔ ان کی اُمت میں سب لوگ قبائلی رشتوں اور علاقائیت سے یکسر منقطع ہو کر حقیقی معنوں میں بھائی بھائی بن گئے ۔

سر ولیم میور :۔ محمد نے توحید اور خدا کی رحمت کا تصوّر اُمّت کے دلوں اور زندگی کی گہرائیوں میں بٹھا دیا۔ معاشرتی اصلاح و فلاح کی کوئی کمی نہ رہی۔ برادرانہ محبّت، یتیموں کی پرورش، غلاموں اور ضعیفوں پر احسان ۔ یہ سب فرائض ایمان کے دائرے میں داخل کئے گئے ۔ امتناعِ شراب میں جو کامیابی اسلام نے حاصل کی وہ کسی اور مذہب کو حاصل نہیں ہوئی ۔

جارج ریلواری :۔ محمدؐ ایک عظیم المرتبت پیغمبر ہی نہیں تھے جنہوں نے اس دنیا کی روحانی تسکین کا پورا سامان کیا بلکہ وہ ایک ایسے معلّم تھے جن کی نظیر تاریخ نے دیکھی ہی نہیں ۔ وہ ایک ہمہ گیر معاشرتی اور بین الاقوامی انقلاب کے بانی بھی تھے ۔

گاندھی جی :۔ اسلام تلوار سے نہیں پھیلا بلکہ اس کی اشاعت کا حقیقی سبب محمدؐ کے کردار کی عظمت اور اوصاف حمیدہ تھے اور ان کا ایمان ، ایقان اور ایثار ۔ چنانچہ ان صفات نے لوگوں کے دلوں کو مسخر کر لیا ۔

رابندر ناتھ ٹیگور :۔ دُنیا کے مذاہب میں ایک بڑا مذہب اسلام ہے۔ نبی اعظمؐ کا پیغام سراسر رحمت ہے جو ساری دنیا کے لئے ہے۔ دنیا میں امن و سکون اسی پیغام سے حاصل ہو سکتا ہے۔

سروجنی نیڈو۔ میرا تعلق ایسے مذہب سے ہے جس کی بنیاد کسی الہامی کتاب پر نہیں۔ لیکن عالمگیر اخوت کے جو نقوش میرے دل پر موجود ہیں وہ حضرت محمدؐ کی پاکیزہ اور عظیم ہستی کی بدولت ہی ہیں۔ آپ کو اس عظیم الشان اور عجیب و غریب صداقت کا مکمل علم تھا کہ خدا کا تصوّر ہی اعلیٰ ترین حقیقت ہے۔ اسی لئے آپ نے اپنی ذات کو معبودیت یا پرستش کا محل قرار نہیں دیا اور فرمایا کہ تمام اقوام اور تمام ممالک کا ایک ہی خدا ہے۔ اسلام کے اندر حقیقی اور خالص جمہوریت کا رنگ موجود ہے۔ یہ نام نہاد جمہوریت کی بے حقیقت شکلوں سے بالاتر ہے۔

پروفیسر سیڈیو :۔ انصاف کے معاملہ میں قریب و بعید، اپنے اور پرائے سب محمد کے نزدیک برابر ہوتے تھے۔ وہ کسی کو کمزوری یا ناداری کے باعث حقیر نہیں سمجھتے تھے اور کسی طاقت ور یا بادشاہ کو اس کی دُنیاوی شوکت کی وجہ سے بڑا نہ خیال کرتے تھے۔ وہ سب سے محبت کرتے تھے اور دوست و دشمن سے خندہ پیشانی سے پیش آتے تھے۔

جارج سیل :۔ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کامل ترین فطری صلاحیتوں سے آراستہ تھے۔ شکل و صورت میں انتہائی حسین و جمیل۔ فہم و فراست میں دور رس عقل و دانش والے اور انتہائی اعلیٰ اور پسندیدہ اخلاق کے حامل تھے۔ غربا پرور۔ ہر ایک سے متواضع۔ دشمنوں سے مقابلہ میں صاحب استقلال و شجاعت اور خدا کی حمد و ثنا میں مشغول رہنے والے تھے۔

منٹگمری واٹ :۔ محمدؐ کو تین عدیم المثال صفات سے نوازا گیا تھا۔ اول آپ کی

فراست جس کی بنا پر آپ نے ایک نظریاتی ڈھانچہ بنا کر معاشرے کو مستحکم بنیادوں پر استوار کر دیا۔ دوم تدبر و سیاست جن کے بنیادی اصول قرآن میں بیان ہوتے ہیں جبکہ آپ نے اپنی ذہانت اور دور اندیشی سے کام لے کر ان اصولوں پہ ایک عظیم الشان عمارت کھڑی کر دی اور مدینے کی ایک چھوٹی سی بستی کو عالمگیر روحانی سلطنت میں ایک اہم مقام پہ لا کھڑا کیا۔ سوم تنظیم کی مہارت جس کی بدولت آپ نے اپنے دوستوں (اصحاب) اعمال اور نمائندوں کا درست انتخاب کیا۔

سر ولیم میور:۔ جوانی کی عمر میں محمدؐ کے سلوک، ان کے اخلاق، راستی اور کردار کی پاکیزگی اس اس زمانے میں بالکل ناپید تھی۔

دھرم پال گپتا وفا:۔ شراب نوشی کی بدعت کو اس طرح روکا
کہ اس کا پینا پلانا حرام ہو جائے

سکھایا اہل عرب کو برابری کا سبق
کہ امتیاز کا قصہ تمام ہو جائے

تیرے خیال میں یہ سخت نامناسب تھا
بشر کوئی بھی بشر کا غلام ہو جائے

رفاہ عام ہی تیرا تھا جبکہ نصب العین
لقب نہ کیوں ترا خیر الانام ہو جائے

ہری چند اختر:۔ سبز گنبد کے اشارے کھینچ لائے ہیں ہمیں
لیجیے دربار میں حاضر ہیں اے سرکار ہم

یا الٰہی کس طرف کو ہے میرا عزم سفر
خضر کہتے ہیں کہ ساتھ آئیں ذرا سرکار ہم

نام پاک احمدِ مرسل سے ہم کو پیار ہے
اس لئے لکھتے ہیں اختر نعت میں اشعار ہم

تلوک چند محروم :-

مُبارک پیشوا جس کی ہے شفقت دوست دشمن پر
مبارک پیشرو جس کا ہے سینہ صاف کینے سے

انہی اوصاف کی خوشبو ابھی اطرافِ عالم میں
نسیم جانفزا لاتی ہے مکّے اور مدینے سے

دلّو رام کوثری :- (انھوں نے ہندو ہوتے ہوئے نعتیں لکھنی شروع کیں اور اپنے ہم مذہبوں کی ملامت اور طعنہ زنی پر ثابت قدم رہے حتیٰ کہ بالآخر دل سے اسلام قبول کر لیا۔ پھر انھوں نے کوثر علی کوثری کے نام سے زندگی کے آخری ایام گزارے اور خدا کو پیارے ہو گئے)

عظیم الشّان ہے شانِ محمدؐ
خُدا ہے مرتبہ دانِ محمّد

فرشتے بھی یہ کہتے ہیں کہ ہم ہیں
غلامانِ غلامانِ محمّد

بتاؤں کوثری کیا شغل اپنا
میں ہوں ہر دم ثنا خوانِ محمدؐ

کوثری تنہا نہیں ہے مصطفیٰؐ کے ساتھ ہے
جو نبیؐ کے ساتھ ہے وہ کبریا کے ساتھ ہے

لے کے دلّو رام کو حضرتؐ گئے جنت میں جب
غُل ہوا ہندو بھی محبوبِ خُدا کے ساتھ ہے

امر چند قیس :-

وہ ابرِ فیضِ نعیم بھی ہے، نسیم رحمت شمیم بھی ہے
شفیق بھی ہے، خلیق بھی ہے، رحیم بھی ہے، کریم بھی ہے

وہ حسن سیرت کا ہے مرقع جمالِ حق ہے جمال اُس کا
وہ پیکرِ فطرتِ معلیٰ شبیہِ خُلقِ عظیم بھی ہے

کوئی یہ اس کا وقار دیکھے پھر اس پہ یہ انکسار دیکھے
سر مبارک پہ تاج اطہر ہے دوش پر ایک گلیم بھی ہے

اٹھائیں جس نے اذیتیں پھر انہیں کے حق میں دعائیں مانگیں
کسی میں یہ شانِ حلم بھی ہے اور ایسا کوئی حلیم بھی ہے؟

جناب موسیٰ کلیم تھے میں مانتا ہوں کلیم ان کو
مرے پیغمبر کا ہے یہ رتبہ خلیل بھی ہے کلیم بھی ہے

یہ آپ کے قیس کا ہے ایماں حضور ہیں رہنمائے انساں
حضور کا جو نہیں ہے قائل شقی بھی ہے وہ لئیم بھی ہے

ماٰ سابقہ ہے کمال کلی

کشن پرشاد شاد :- (جو ریاست حیدر آباد دکن کے وزیر اعظم رہ چکے ہیں)

محمدؐ پہ دل اپنا شیدا ہوا ہے ستارہ نصیبے کا چمکا ہوا ہے!
نہ ہے آپؐ کا کوئی ہمسر نہ ہوگا یہ دیکھا ہوا ہے یہ سمجھا ہوا ہے
خداوندِ عالم ہے جس طرح واحد حبیب خدا بھی تو یکتا ہوا ہے
مجھے کوئی کافر کہے یا مسلماں کہے جس کے جو جی میں آیا ہوا ہے

فقط نعت گوئی سے اے شاد مجھ کو
یہ عزت ملی ہے، یہ رتبہ ہوا ہے

حضرت محمد صلّی اللہ علیہ وسلّم

آج بھی اوّلین مقام کے حامل ہیں

ایک جدید ذہن رکھنے والے محقق کا فیصلہ آج لاکھوں کی تعداد میں چھپنے والے اخباروں اور رسالوں میں طبع ہو رہا ہے اور اس غیر مسلم نے لگی لپٹی رکھے بغیر اعلان کر دیا ہے کہ نسل انسانی پر جس شخصیت نے غیر معمولی اثرات ڈالے ہیں اور ایسے نقوش چھوڑے ہیں کہ قیامت تک مٹائے نہ جا سکیں گے وہ (حضرت) محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت بابرکت ہے۔

امریکی ماہر فلکیات مائیکل ایچ ہارٹ وہ مورخ اور محقق ہے جس نے ۲، ۵ صفحات پر مشتمل ایک مقبول عام کتاب بنام "آل سٹارز آف ہسٹری" مرتب اور شائع کی ہے جس میں انسانی تاریخ پر سب سے زیادہ اثر انداز ہونے والے ایک سو افراد کا انتخاب کیا ہے۔ مصنف نے اس کے لئے بڑی محنت اور عرق ریزی سے کام لیا ہے اور قد آور شخصیات کی فہرست ترتیب دیتے وقت محض تاریخ پر تکیہ کرنے کی بجائے حفظِ مراتب کو مدِنظر رکھا ہے۔ اس نے دُنیا بھر کے قارئین کو دعوتِ عام دی ہے کہ وہ اس کی کاوش کو بصد شوق چیلنج کریں۔

ہارٹ کہتا ہے تاریخ انسانی کی ابتداء سے موجودہ وقت تک جو کروڑوں اربوں کی تعداد میں انسان اس زمین پر پیدا ہوئے ہیں میری تحقیق کے مطابق ان میں سے

دُنیائے انسانیت پر بانیٔ اسلام سرورِ کائنات حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس سب سے زیادہ اثر انداز ہونے والی شخصیت ہے اور آپ تاریخ میں واحد فرد نظر آتے ہیں جو روحانی اور مادی ہر دو سطحوں پر سب سے زیادہ کامیاب رہے ہیں۔

یہ بات موجودہ دنیا کے ماحول میں خاص اہمیت رکھتی ہے جبکہ پوری دنیا مادہ پرستی کے رجحان میں گرفتار ہے اور یہودی طرزِ فکر کا تسلط عام ہے۔ اندریں حالات ایک غیر مسلم مصنف کے قلم سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دُنیا کی سو بااثر شخصیات میں اوّلین مقام کا حامل قرار دینا اور حضورؐ کو روحانی اور مادی معاملات میں سب سے کامیاب و کامران انسان ماننے پر اصرار ایک ایسا واقعہ ہے جو ملّتِ اسلامیہ کے لئے باعثِ صد افتخار بھی ہے اور اپنے کوتاہیوں و غفلتوں سے کنارہ کشی کرنے کے لئے تازیانۂ عبرت بھی۔ یہ بات تسلی کا موجب ہے کہ اس پُر آشوب زمانہ میں ایسے افراد بھی موجود ہیں جو ہر قسم کی مصلحتوں، ذاتی مفادات، نسلی امتیازات اور علاقائی عصبیت سے اثر نہیں لیتے اور صرف اپنے ضمیر کی آواز پر کان دھرتے ہیں اور اس کے برملا اظہار کی جرأت بھی رکھتے ہیں۔

اس تصنیف نے جس کی شہرت تمام دنیا میں پھیل چکی ہے دوسرے نمبر پر عظیم سائنسدان نیوٹن کو رکھا ہے اور حضرت عیسےٰ علیہ السّلام کو تیسرا درجہ دیا ہے۔ پھر ہماری دلچسپی اس میں بھی ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ (خلیفہ دوم) کو بھی فہرست میں جگہ دی ہے اور ان کو ۵۱ نمبر دیا ہے جبکہ ۵۲ نمبر ہندوستان کے حاکم اشوک کو دیا گیا ہے۔ ہارٹ نے یہ فہرست بناتے وقت انفرادی پسند کا لحاظ نہیں رکھا بلکہ یہ اصول پیش نظر رکھا ہے کہ تاریخ کے ان ستاروں نے بہ حیثیت مجموعی انسانی تاریخ پر کیا اثرات مرتب کئے ہیں اس نے چین کے ماؤزے تنگ کو بیسویں درجے پر دکھایا ہے۔ اس کے نزدیک سقراط اور گاندھی اس سو کی فہرست میں درج کرنے کے اہل نہیں ہیں۔

ہم مسلمانوں کو اپنے طرزِ عمل پر نظرِ ثانی کرنے کی ضرورت ہے۔ خدا نے ہمیں اس اُمّت میں پیدا کیا ہے جس میں پیدا ہونے کی آرزو پہلے زمانوں کے صلحا اور انبیاء کرتے رہے ہیں لیکن ہم نے اسلام اور بانیٔ اسلام کی کماحقہ قدر نہیں کی۔ یہی وجہ ہے کہ نہ صرف یہ کہ ہم دُنیا میں ذلیل ہو رہے ہیں بلکہ اسلام کے بے داغ چہرے کو بٹہ بھی لگا رہے ہیں یاد رکھیے خدا ہمیں کبھی معاف نہ کرے گا اگر ہم نے اس کے آخری نبیؐ اور سب سے محبوب پیغمبر علیہ السلام کے دین کو تماشا بنانے اور بدنام کرنے سے ہاتھ نہ روکا۔ ہمیں یاد رکھنا چاہیئے کہ ایک نہ ایک دن خالق کائنات کے دربار میں پیش ہونا ہے۔ اپنے اعمال کی خود ہی جوابدہی کرنی ہوگی۔ وہاں یہ نہیں پوچھا جائے گا کہ فلاں ابن فلاں نے کیا کیا تھا۔ وہاں صرف اپنی ذات کی صفائی کرنی ہوگی۔ لہٰذا اپنے اپنے گریبانوں میں جھانکیے اور ہر وہ برائی اور کوتاہی چھوڑ دیجیے جو اسلام میں ناجائز قرار دی گئی ہے اور اپنے اعمال کی اس طرح اصلاح کیجیے کہ ہم دین حق کی عزت کا باعث ہوں نہ کہ اس کی بدنامی کا۔

تبلیغِ دین کا اِسلامی اسلوب

شاید آپ کو معلوم نہ ہو کہ اسلام میں ہر مسلمان مبلّغ ہے، اسے مقدور بھر اسلام کی تبلیغ کرنی چاہیئے۔ اصل نیکی یہ ہے کہ دوسروں کو بھی نیک بنانے کی تڑپ موجود ہو۔ جو نیکی اپنے اندر موجود ہو اور جس کے پھیلنے کے راستے مسدود ہوں بہت ممکن ہے وہ محض فریب ہی ہو یا منافقت۔ مطلب یہ ہے کہ جس نیکی سے انسانیت کی خدمت

کا کام نہ لیا جا سکے وہ نہ ہونے کے برابر ہے۔ نیکی کی بلا دھڑک اشاعت بہت ضروری ہے کیونکہ حق چھپانے والی شے نہیں ہے۔ یہ کھلی اور پھیلنے والی اور سب طرف چھا جانے والی حقیقت ہے۔

انسان کے دکھوں اور مصیبتوں کا واحد اور شافی علاج اسلام ہی ہے۔ انسانیت کا درد رکھنے والے کے لئے ضروری ہے کہ کوئی انسان کسی مصیبت میں گرفتار ہو۔ بیماری افلاس۔ فاقہ۔ پریشانی اور دیگر آفات میں پھنسا ہوا ہو تو اس کی ہر طرح مدد کی جائے لیکن ساتھ یہ بھی خیال رہے کہ آخرت کی آفات دنیا کی سختیوں سے بدرجہا سخت اور ہولناک ہوں گی چونکہ دائمی رہنے والی ہوں گی۔ کیا یہ عقلمندی نہیں ہے کہ ان کا مداوا ابھی سے کر لیا جائے اور اخروی زندگی کی روحانی اذیتوں سے نجات کی سبیل تلاش کی جائے۔

اس سے واضح ہوا کہ انسان کے دینی اور دنیاوی دکھوں کو دور کرنے کا طریقہ اسلامی تعلیمات سے واقف ہونے اور اس پر عمل کرنے میں مضمر ہے۔ تبلیغ ان زخموں کا پھاہا ہے جن سے انسانیت کراہ رہی ہے۔ دنیاوی مصائب حیات چند روز کے ساتھ متعلق ہیں اور جسم کے فنا ہونے کے ساتھ وہ بھی ختم ہو جاتے ہیں لیکن اُخروی زندگی چونکہ دائمی ہے اس لئے اس کے مصائب بھی ہمیشہ رہنے والے ہوں گے۔

نیکی کو پھیلانے کے ساتھ ہی ساتھ بدی کا انسداد ضروری ہے۔ اسی کو امر بالمعروف نہی المنکر (نیکی کا حکم اور برائی سے روکنا) کہا جاتا ہے چنانچہ تبلیغ کے یہی دو بڑے جزو قرار پائے۔

تبلیغ کے طریقوں میں (ا) زبان سے ہدایت اور (ب) عمل کے نمونے کا بہت دخل ہے کیونکہ آپ خود عمل کریں گے تو تبلیغ مؤثر ہو گی۔ اسی لئے کہا گیا ہے کہ زبانِ حال زبانِ قال سے زیادہ دلوں میں گھر کرنے والی ہوتی ہے۔ آیئے ذرا ہم ان دونوں کی وضاحت کریں۔

زبانِ قال

زبانی تبلیغ کا بنیادی اصول صبر و تحمل اور حسنِ کلام ہے۔ جس شخص کو یا جس جماعت کو مخاطب کیا جائے گا لازمی ہے کہ اسے اپنے ذاتی خیالات یا اعمال اچھے اور محبوب لگتے ہوں اور وہ ذرا سی بھی بے احتیاطی یا ترش کلامی سے اُلٹا اثر لے سکتا ہے۔ قرآن پاک نے اسی لئے ہدایت کی ہے کہ "جن کی وہ پرستش کرتے ہیں اُن کو تم بُرا مت کہو کہ وہ نادانی سے اللہ کو بُرا کہنے لگیں۔ ہم نے یوں ہر فرقہ کی نظر میں اس کے اعمال کو مزین کر رکھا ہے" (سورۃ الانعام)

لہٰذا دوسرے باطل پرستوں کے معبودوں کو بُرا کہنے کی بجائے نرمی۔ حکمت۔ دلسوزی۔ شفقت اور ہمدردی سے کام لینا چاہیئے اور یہی قرآن حکیم کا طریقہ ہے جو سورہ النحل میں بیان ہوا ہے۔" (اے نبیؐ) ان کو حکمت اور بہتر کلام کے ساتھ اپنے رب کے راستہ کی طرف بلاؤ اور ان سے بہترین طریق پہ مباحثہ کرو۔"

لہٰذا دلائل عام فہم اور مخاطب کے ذہنی درجہ کے عین مطابق پیش کیے جائیں جن کا مقصد جنگ و جدال نہیں بلکہ افہام و تفہیم ہو۔ ان دلائل کو اگر موثر اور رقت انگیز نصیحتوں اور مثالوں سے پیش کیا جائے گا تو ناممکن ہے نصیحت دل میں گھر نہ کریں۔ حسن اخلاق سے تو پتھر کے دل بھی موم ہو جاتے ہیں۔ تبلیغ کرنے والے کو نہایت سمجھ اور سوجھ بوجھ سے کام لے کر تبلیغ کا طریقہ حسب حال اور حسب ماحول وضع کرنا پڑتا ہے۔ حق شناسی، انصاف اور ہمدردی کے ساتھ اپنا عندیہ پیش کیا جائے۔ جو چیز سچ پر مبنی ہو اس کے لئے دلآزاری یا جگر خراشی کی باتوں کی کوئی ضرورت محسوس نہیں ہوتی۔ خالی لفاظی۔ سخن پروری اور ہٹ دھرمی کا کچھ نتیجہ نہیں نکلتا۔ الغرض زبان کا استعمال نہایت تہذیب۔ شائستگی اور خیر خواہی کے جذبوں کے تابع ہونا ضروری ہے۔ حضور علیہ السلام نے خود خلق عظیم کا نمونہ بن کر تبلیغ کی۔ اس راستہ کی آزمائشوں اور

سختیوں کو خندہ پیشانی سے برداشت کیا اور اپنے مشن میں پُوری کامیابی حاصل کی۔ امت کے ہر فرد پر واجب ہے کہ آپ کے نمونہ پر پوری طرح عمل کرے۔

زبانِ حال

اصل خوبی یہ ہے کہ جس بات پر آپ یقین رکھنے کا دعوے کرتے ہیں اس پر خود اچھے عامل بھی ہوں۔ آپ کا سراپا اس بات کی گواہی دے کہ آپ کون ہیں؟ اور کیا ہیں؟۔ یہی زبانِ حال ہوگی۔ لوگ بیک نگاہ آپ کی تبلیغ کو قبول کرتے چلے جائیں گے۔

ہمارے لئے سب سے اول نمونہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے کہ آپ نے دعوتِ اسلام کا اعلان فرمایا تو دور دراز کے قبائل اپنے نمائندوں کو مکہ بھیجنے لگے۔ تاریخ شاہد ہے کہ ان میں سے اکثر نے آپؐ کا چہرہ مبارک دیکھ لینے کے ساتھ ہی کلمہ پڑھ لیا۔ اور واپس جاکر اپنے قبیلوں سے کہہ دیا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا چہرہ ایک صادق الامین کا چہرہ ہے اور آپ کی گفت گو پیغمبر حق کی گفتگو ہے۔

حضرت ابوذر غفاری (رضی اللہ تعالےٰ عنہٗ) تلاشِ حق میں مکہ آئے اور حضورؐ کی تلقین کے ساتھ ہی ایمان لے آئے۔ آپؐ نے فرمایا ابھی ایسا وقت نہیں ہے کہ ہم کھل کر اسلام کی تعلیمات پر عمل کر سکیں۔ اس وقت تم واپس چلے جاؤ اور جب تم کو ہدایات موصول ہوں تو چلے آنا لیکن ابوذرؓ کے دل میں اسلام کا جوش بھر گیا تھا اور انہوں نے حرم کعبہ میں اونچی آواز سے کلمہ شہادت پڑھ ڈالا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ کفار نے آپؓ کو مارنا شروع کر دیا۔ دو دفعہ حضرت عباسؓ نے ان کو چھڑایا۔ حضرت ابوذرؓ کی دعوت سے ان کا قبیلہ غفار ایمان لے آیا۔

اسی طرح قبیلہ اسلم، اوس و خزرج ۔ اشجع ۔ جہینہ اور دوسرے تمام قبائل حضورؐ کے اخلاقِ حسنہ کی بدولت اسلام لے آئے۔ علاوہ ازیں آپ کے پاس مختلف وفود اور سفارتیں آتی تھیں اور دولت ایمان سے مالا مال ہو کر جاتی تھیں۔ ان میں بنو سعد، نجران۔ بنو اسد

بنی فرازہ ۔ کندہ ۔ عبدالقیس ۔ بنو عامر وغیرہ شامل تھے ۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنّت اور نمونہ پر چلنے والے اہل بیت اطہار اور صحابہ کرام رضوان اللہ تعالٰے اجمعین نے آگے اسی طرح اسلام کو پھیلایا اور قرآن کی تعلیم و تزکیہ افکار و اعمال آنے والے زمانوں میں اسلام کی ترویج کا باعث بنتا رہا ۔

کفرستان ہند میں حضرت معین الدین چشتیؒ اور حضرت علی ہجویری المعروف داتا گنج بخشؒ بھی مومنانہ شکل وصورت اور تعلیمات قرآنی کے چلتے پھرتے نمونے تھے ۔ یہی وجہ تھی کہ یہاں کے راجاؤں کے رعب وجلال کے مقابلہ میں لوگ ان کی طرف کھنچے چلے گئے ۔ اور انہوں نے اسلام کے پھیلانے میں نمایاں کامیابی حاصل کی ۔

آج ہم دیکھتے ہیں کہ لادینیت پھیلی ہوئی ہے ۔ پیر و جوان اسلامی اخلاق اور مہر و محبت سے عاری ہو چکے ہیں ۔ حالانکہ ماشاء اللہ علماء کا طبقہ بھی موجود ہے لیکن سوچنے کی بات ہے کہ ان کی پند و نصائح میں اثر کیوں نہیں ہے ؟ نوجوان نسل ساری کی ساری لغو اور فحش کاموں میں پھنسی ہوئی ہے ۔ نہ ان میں کسی کا ادب ہے نہ اچھے کاموں کے کرنے کا رجحان ہے ۔ میری دانست میں طبقہ علماء کو اپنا محاسبہ کرنے کی ضرورت ہے ۔ قوم کے نوجوانوں کو نیکی کے راستہ پر لگانے کے لئے حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے بتلائے ہوئے تبلیغ کے طریقوں پر عمل کرنا ہوگا ۔ نبی کریم کے اپناتے ہوئے اخلاقِ حسنہ کو بروئے کار لانا ہوگا ۔ آپ اپنے میں بے غرضی ۔ سادگی ۔ خلوص ۔ ایثار اور محبت کے اوصاف پیدا کرنے ہی سے بھٹکے ہوؤں کو راہ راست پر لا سکتے ہیں ۔

فی زمانہ سب سے زیادہ زور حقوق العباد پر دینے کی ضرورت ہے ۔ یہی ایک طریقہ ہے جس پر چل کر ہم دینی ، دُنیوی ترقی کر سکتے ہیں ۔ والدین ۔ رشتہ داروں ۔ ہمسایوں دوستوں اور مفادِ عامہ سب کے حقوق کی ادائیگی ہماری دین و دُنیا کی کامیابی کی کلید ہے ۔ دنیا والوں پر بے جا اعتراضات کرنے سے پہلے خود اپنی اصلاح کرنی واجب ہے ۔

اس کے بعد ہی تبلیغ موثر ہو سکے گی۔ اس کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نمونہ ہمارے سامنے ہونا چاہیئے۔

جو کچھ پیچھے بیان ہوا اس کی روشنی میں ہم سیرت اور اسلام پر شائع کئے جانے والے لٹریچر کی ضروریات بیان کرتے ہیں۔ یہ سب مندرجہ ذیل خطوط پر مرتب ہونا چاہیئے

ا۔ دُنیا کے دیگر مذاہب کا نہایت عام فہم تقابلی مطالعہ۔

ب۔ ان ادیان باطل کے کھوکھلے پن اور غیر موزوں ہونے پر تحریریں۔

ج۔ اسلام کی حقانیت اور بنی نوع انسان کی خیر خواہی ثابت کرنے والی کتابیں۔

د۔ عصر حاضر کے گھمبیر مسائل کے حل اسلام کی رُو سے پیش کرنا۔

ر۔ سائنسی دور میں جدید ذہنوں کے ٹھوکریں کھانے کے متعلق بتانا اور صحیح راستہ کی نشاندہی کرنا۔

چنانچہ جو بھی تبلیغی لٹریچر ہو اسے مخاطب کی قابلیت اور اہلیت کے مطابق ہونا چاہیئے۔ عام لوگ جو پڑھ لکھ نہیں سکتے علمی بحثوں سے کچھ نہ سمجھ پائیں گے بلکہ شکوک و شبہات بلکہ بیزاری کا شکار ہو جائیں گے۔ لہذا مسلمانوں کے مختلف طبقے قرار دے کر اُن کی ضروریات کے متعلق لکھا جائے۔ مثلاً وہ مسلمان جو اسلام کی باتوں سے بالکل بے بہرہ ہیں اور زبان سے کلمہ تک کی صحیح ادائیگی نہیں کر سکتے۔ پھر ان نومسلموں کے لئے اسلامی لٹریچر تیار کرنا جن کو اسلام کی مبتدیات سے ابھی واقفیت نہیں۔ ان کو اپنے چھوڑنے ہوئے دین اور اسلام کا مقابلہ کر کے اسلام کی نعمتوں اور برکتوں کا احساس دلانا اور اس کے بعد ان غیر مسلموں کے لئے تحریریں تیار کرنا جو تصویر کا صرف ایک ہی رُخ جانتے ہیں اور اس طبقہ پر بڑی محنت کرنی پڑے گی کیونکہ وہ جدید علوم سے بہرہ ور ہوں گے اور ہمیں ان کی جدید تہذیب کے کھوکھلے پن کی مدلل وضاحت کرنی ہوگی۔ خوش قسمتی سے اعلیٰ تعلیم یافتہ جدید مفکر اب اپنی تہذیب سے متنفر ہو کر سچائی کی تلاش کے لئے ہاتھ

پاؤں مار رہے ہیں۔ اس میدان میں تبلیغ کرنے والے کو خود اپنے مطالعہ ادیان کو خاصا وسیع کرنا ہوگا۔ اور ایسے دلائل و شواہد کو باقاعدہ جمع کرنا ہوگا جو کہ ان لوگوں کے اعتراضات کا مسکت جواب ثابت ہو سکیں۔ اس بات کو ذہن میں رکھیں کہ افریقہ اور امریکہ اسلام خاصا مقبول ہو رہا ہے۔ یورپ میں بھی اسلامی تعلیم حاصل کرنے کا ذوق بڑھ رہا ہے۔ پیرس (فرانس) میں ہر جمعہ کو ہزاروں لوگ نماز کے لئے جمع ہوتے ہیں اور تبلیغی وعظ سُننے کا اشتیاق ظاہر کرتے ہیں۔ پاکستان اور ایران میں نظامِ مصطفےٰ کے چرچے نے دُنیا بھر میں ذہین طبقے کی توجہ اس موضوع کی طرف مبذول کر دی ہے۔ اس لئے حالات و قرائن سے واضح ہو رہا ہے کہ مستقبل کا مذہب اسلام ہوگا اور اسلام کی صدی یا تو طلوع ہو چکی ہے یا پھر چند سالوں تک طلوع ہوا چاہتی ہے۔ آنے والی نصف صدی میں انشاء اللہ اسلام کا جھنڈا اپنی پوری آب و تاب سے لہرانے لگے گا۔ سوشلزم اور کمیونزم نیز مغربی جمہوریت دم توڑنے لگے گی کیونکہ اسلام ہی وہ قوّت ہے جو امن اور سلامتی کا دامن پھیلا کر ان سب کو پناہ دے سکتا ہے کیونکہ صرف یہی دین آفاقی اور فطرت کا نقیب ہے۔

ضرورت اس بات کی ہے کہ ایسا تبلیغی لٹریچر منظرِ عام پر لانے کی سعی کی جائے جو مندرجہ ذیل شرائط پوری کرتا ہو۔

- تحریر کی زبان سادہ، شگفتہ اور دلچسپ ہو۔
- قاری کی نفسیات کا اس میں خاص خیال رکھا گیا ہو۔
- جو مثالیں اس میں پیش کی جائیں وہ روزمرہ پیش آنے والی ہوں۔
- تبلیغی کتابوں کی ضخامت زیادہ نہ ہو۔
- ایک کتابچہ ایک ہی مسئلہ پر اظہارِ خیال کرے۔
- ایسا لٹریچر سہل الحصول ہو۔

وہ جو تمام عالموں کے لیے رحمت بن کر آئے انہوں نے راہِ حق میں سب سے زیادہ مصیبتیں جھیلیں

حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسّلام کی محبت ہر ایک کلمہ گو کا بہترین سرمایہ اور توشۂ آخرت ہے۔ ہم جب آپ کے فرامین کی خلاف ورزی کرتے ہیں تو بھول جاتے ہیں کہ آپ نے اپنی گنہگار اُمّت کو کبھی اور کسی حالت میں بھی نہیں بھلایا۔ پیدائش کے وقت غارِ حرا میں۔ معراج کے سفر میں۔ حج الوداع کے موقع پر اور پھر اس عالم فانی سے رخصت ہوتے وقت ہمیشہ اُمّت کا خیال رہا۔ حضورؐ کے صبر اور استقلال کا یہ عالم رہا کہ دشمنوں کے خلاف کبھی بد دُعا نہیں کی بلکہ ان کی ہدایت کے لئے دعائیں کرتے رہے۔

بچپن سے لے کر جوانی تک آپ نے بیحد تکلیفیں اٹھائیں۔ آپ غریب ملک اور غریب گھرانے میں پیدا ہوئے۔ شفقتِ پدری سے محروم رہے۔ آپؐ کی والدہ ماجدہ حضرت آمنہؓ تہی دست ہونے کی وجہ سے آپؐ کی تربیت کی خاطر آپؐ کو مدینہ لے گئیں۔ لیکن وہاں بھی تنگ دستی نے پیچھا نہ چھوڑا اور وہ خود بیمار پڑ گئیں۔ رسول پاکؐ بہت چھوٹے بچّے تھے اور ماں کی فوتیدگی کے وقت اُن کے سینۂ مُبارک پر رُخِ انور رکھ کر فرماتے امّی آپ بولتی کیوں نہیں؟ مگر وہ تو خدا کو پیاری ہو چکی تھیں۔ ماں اور باپ دونوں کا سایہ سر سے اُٹھ گیا اور آپؐ اپنے ہم عمر بچّوں سے الگ تھلگ بیٹھے رہتے اور کھانے پینے سے بھی رغبت نہ رہی اور بہت دُبلے ہو گئے۔ حضرت عبدالمطلب آپ کے دادا نے اپنے پاس رکھا لیکن صرف دو سال بعد وہ بھی چل بسے۔ آٹھ سال کی عمر میں آپؐ کو چچا ابو طالب کی سرپرستی میں لیا گیا لیکن وہ خود تہی دست تھے اور بڑے کنبے کی پرورش ان

کے ذمہ تھی۔ اس طرح حضور کو چھوٹی سی عمر میں فکر معاش کرنی پڑی۔ صحرائے عرب کے تپتے ہوئے میدانوں میں ننگے پاؤں گلہ بانی کرتے رہے اور آپ میں جذبہ خودی اور غور و فکر کی عادت پیدا ہو گئی۔ تصور کیجئے کہ ایک کم عمر بچہ جسے اپنی ضروریات زندگی یعنی نان جویں چند کھجوروں اور تن ڈھانکنے کے کپڑوں کے لئے اتنی سخت مشقت کرنی پڑتی ہو خوب سمجھتا ہے کہ اس کی مشکلات کیا ہیں اور خود ہی جد و جہد کر کے ان کو حل کرتا ہے اور خدا کے سوا کسی پر بھروسہ نہیں کرتا ہے۔ اس کا سنجیدہ اور مضبوط ارادے والا ہونا قدرتی امر ہے۔ چچا کے ساتھ سال کی عمر میں دور دراز سفر پر گئے جہاں ایک راہب نے کہا کہ آپؐ نبی ہوں گے اور ان کو جلد ہی واپس لے آیا گیا۔ آپؐ نے آبادی سے دور ایک تنگ سی غار میں برسوں یاد خدا میں وقت گزارا۔ آپؐ نے جب دعوئے نبوت کیا تو ابولہب کی بیوی جمیلہ ہجویہ اشعار کہتی اور اور راستے میں کانٹے بچھا دیتی۔ دونوں میاں بیوی آپ کے مبارک گھر پر پتھر برساتے۔ بچوں کو پیسے دے کر آپ پر اینٹیں پھینکنے کو کہتے۔ آپ پر غلاظت اور مردار جانور ڈالے جاتے۔ جب کبھی پتھروں سے آپ کے سر اور چہرے پر خون بہہ نکلتا تو دامن سے خون پونچھ کر گھر لوٹتے۔ حضرت خدیجہؓ فرماتیں "اے پیغمبر خدا آج تو آپؐ کو بڑی مصیبت پہنچی" تو آپؐ جواب دیتے "جب انسان کو یہ احساس ہوتا ہے کہ کس اعلیٰ و ارفع کام کے لئے مصیبت آئی تو وہ تکلیف کا احساس نہیں کرتا" ایک دن ابوجہل نے خانۂ کعبہ میں آ کر اونٹ کی اوجھڑی، خون اور گندگی سے بھر کر آپؐ کے سر پر چڑھا دی اور نیچے اس طرح باندھ دی کہ منہ اور ناک بند ہو کر سانس رکنے لگا۔ آپؐ کو بچانے کے لئے ابوجہل کے ڈر سے کوئی بھی آگے نہ بڑھا۔ وہ تو آپؐ کی صاحبزادی حضرت رقیہؓ کو اطلاع مل گئی اور وہ دوڑی دوڑی آئیں اور بندھن کھول کر آپ کو نکالا اور رخ مبارک کو صاف کیا۔ گھر لے جا کر جسم دھویا اور کپڑے بدلوائے۔ اگلے روز پھر آپ مسجد میں تھے کہ اوپر چادر ڈال کر خوب مارا گیا۔ حتیٰ کہ ناک و منہ سے خون بہہ نکلا۔ عقبہ چاہتا تھا کہ آپؐ کو ختم کر دے لیکن خدا نے بچا لیا۔ اہل قریش

روز آپؐ کو اس طرح اذیتیں دیتے اور بالکل لحاظ نہ کرتے۔ حتیٰ کہ جس دن آپ بہت زخمی ہوتے دوسرے دن کعبہ نہ جا سکتے۔

پھر جب شاہ حبشہ نے آپؐ کے مہاجر صحابیوں کو لوٹانے سے انکار کیا تو اہل قریش نے کلی طور پر معاشی بائیکاٹ کا اعلان کر دیا کہ کسی مسلمان کے ساتھ کسی قسم کا تعاون اور لین دین نہ کیا جائے۔ حتیٰ کہ ۶۱۶ عیسوی میں تمام مسلمانوں کو مکہ سے خارج کر شعب بنو ہاشم کی گھاٹی میں جو کہ ایک تنگ پہاڑی گھاٹی تھی محصور کر دیا۔ خوراک و دیگر ضروریات سب بند کر دی گئیں۔ وہ یہاں شدید قحط میں مبتلا ہو گئے اور ذبح شدہ جانوروں کے چمڑے پکا پکا کر اور پتے کھا کر گزارہ کرنے لگے۔ حضورؐ تین سال تک اس جگہ مع اہل و عیال اور احباب کے بند رہے۔ یہ سخت ترین امتحان تھا۔ حضرت خدیجہؓ تکالیف کی تاب نہ لا کر بیمار پڑ گئیں اور غذا و دوا نہ ہونے سے ۶۱۹ء میں رحلت کر گئیں۔ کفن کا کپڑا نہ ہونے کے باعث آپؐ کو دوپٹہ ہی میں دفن کیا گیا۔ پھر جب وہاں سے نکل کر مکہ پہنچے تو پھر قریش نے آپ کو مطرود (خارج از برادری) قرار دیا۔ مجبوراً طائف کی طرف چل پڑے۔ وہاں بھی آپؐ پر سنگ باری کی گئی۔ آپ کا جسم لہولہان ہو گیا۔ خون آپ کے جوتوں میں آ کر جم گیا۔ حضورؐ کے صحابی حضرت زیدؓ نے اپنی پیٹھ پر اٹھا کر آپؐ کو شہر سے باہر ایک پہاڑی پر جا لٹایا اور زخموں کو دھویا۔ پانی پلایا۔ آپؐ نے آنکھیں کھولیں تو کہا گیا کہ کافروں کے لئے بد دعا فرمائی جائے۔ حضورؐ نے دعا فرمائی "اے اللہ! طائف کی زمینوں پر رحمت نازل فرما اور ان سب لوگوں کو معاف فرما دے"۔

عزیزو ذرا غور کرو۔ یہ ان لوگوں کے حق میں دعا فرما رہے ہیں جن لوگوں نے آپؐ پر بے انتہا وحشیانہ مظالم روا رکھے اور آپؐ کو ختم کرنے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی۔ یہی وہ لوگ ہیں جو بعد میں جنگ حنین میں قیدی ہو کر آپ کے رحم و کرم پر پڑ گئے تو آپؐ نے ان سب کو آزاد کر دیا۔

چشم فلک نے آج تک ایسا رحیم اور ایسا شفیق آقا نہیں دیکھا۔ ہم لوگ اپنے آپ کو حضورؐ کا اُمتی کہہ کر ایسے ایسے ذلیل اعمال کرتے ہیں کہ چشم فلک کانپ اٹھتی ہے۔ خدارا ذرا اپنے گریبانوں میں منہ ڈالیں کہ ہم کیا ہیں اور ہمیں کیا کرنا چاہیئے؟

آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کی پسند ناپسند

حضور کی زندگی ساری اُمّت کے لئے چراغِ ہدایت ہے۔ آپ کی پاپسند اور ناپسند دراصل ہمارے لئے راہِ عمل ہے کہ اس میں ہماری نجات پوشیدہ ہے۔ کیونکہ اگر کوئی چاہے کہ ہر حالت انسانی کے مختلف مظاہر میں ہر طرح کے جذبات و احساسات اور کامل اخلاق کا مجموعی نمونہ دیکھے تو وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کو دیکھے۔

اگر دولت مند ہے تو مکّہ کے سب سے دیانت دار تاجر اور بحرین کے خزینہ دار کو دیکھے
اگر غریب ہے تو شعب ابی طالب کے اسیر اور مدینہ کے مہمان کی کیفیت ملاحظہ کرے
اگر بادشاہ ہے تو سلطانِ عرب وعجم کا حال پڑھے
اگر رعایا ہے تو قریش کے ماتحت زندگی گذارنے والے کی جانب نظر کرے۔
اگر فاتح ہے تو بدر و حنین کے سپہ سالار پر نگاہ دوڑائے۔
اگر تم کو شکست کا سامنا ہے تو معرکہٗ احد سے عبرت حاصل کرو۔
اگر تم استاد و معلّم ہو تو صفّہ کی درس گاہ کے اس عظیم و مقدس معلّم کے کردار کو دیکھو
اگر تم شاگرد ہو تو روح الامین کے سامنے بیٹھنے والے کی طرف نگاہ دوڑاؤ۔
اگر تم واعظ اور ناصح ہو تو مسجد مدینہ کے منبر نشیں کی باتوں پر غور کرو۔
اگر دشمنوں پر غالب آچکے ہو تو فاتح مکّہ کی داد و دہش کا نظارہ کرو۔
اگر اپنے کاروبار اور دنیاوی جدوجہد کے نظم ونسق کا سودا ہے تو بنی نضیر اور فدک کی اراضی کو ٹھیک طرح چلانے والے منتظم کو دیکھو۔

اگر یتیم ہو تو عبد اللہ، آمنہ کے جگر گوشہ کو فراموش نہ کرو۔
اگر بچے ہو تو حلیمہ سعدیہ کے لاڈلے بچے کے حالات معلوم کرو۔
اگر جوان ہو تو مکہ کے بہترین چرواہے کی سیرت کا مطالعہ کرو۔
اگر مسافرت کے شائقین ہو تو بصرہ کے کاروان سالار کی مثالوں کو پیش نظر رکھو۔
اگر عدالت کے قاضی، پنچایت کے ثالث ہو تو کعبہ میں نور آفتاب سے پہلے داخل ہونے والے ثالث کو دیکھو، جو حجر اسود کو جھگڑا مٹا کر کعبہ کے گوشے میں نصب کرا دیتا ہے۔
مدینے کی کچی مسجد کے گوشے میں بیٹھا ہوا منصف کیسا منصف ہے کہ دنیا اس کے انصاف کی قائل ہے۔
اگر تم شوہر ہو تو خدیجہ اور عائشہ کے مقدس شوہر کی حیات طیبہ کا مطالعہ کرو۔
اولاد والے ہو تو فاطمہ کے باپ اور حسن و حسین کے نانا کا حال پوچھو۔
غرض تم جو کچھ بھی ہو اور کسی ماحول میں بھی ہو تمہاری زندگی کی درستی اور اصلاح کے لیئے سامان تمہارے ظلمت خانہ میں روشنی کی چکاچوند پیدا کرتے والی سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں موجود ہے۔ کیونکہ یہ ہدایت کا چراغ اور راہنمائی کا نور ہے۔ آپ کو یہ ہدایت کا سودا حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جامعیت کبریٰ کے خزانہ میں ہمہ وقت اور ہمہ دم دستیاب ہے آیئے حضور کی پسند اور ناپسند کی چیزوں پر ایک نگاہ دوڑائیں۔
مولانا شبلی نعمانی کے الفاظ میں ذرا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پسند اور ناپسند چیزوں کا حال درج ذیل کیا جاتا ہے۔
"گفتگو نہایت شیریں اور دلآویز تھی، ٹھہر ٹھہر کر گفتگو فرماتے۔ ایک ایک فقرہ الگ ہوتا کہ سننے والوں کو یاد رہ جاتا معمول تھا کہ ایک ایک بات کو تین تین دفعہ فرماتے۔ جس بات پر زور دینا ہوتا بار بار اس کا اعادہ فرماتے۔ حالت گفتگو میں اکثر نگاہ آسمان کی طرف ہوتی تھی۔ آواز بلند تھی حضرت امّ ہانی سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ واٰلہ وسلم کعبہ میں قرآن پڑھتے تھے اور ہم لوگ گھروں میں پلنگوں پر لیٹے لیٹے سنتے تھے۔
حضرت خدیجہ کے پہلے شوہر سے ایک صاحبزادے تھے، جن کا نام ہند تھا اور وہ نہایت

خوش تقریر تھے، جس چیز کا بیان کرتے اس کی تصویر کھینچ دیتے۔ حضرت امام حسن علیہ السلام نے ان سے پوچھا آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کیونکر تقریر فرماتے تھے انہوں نے کہا آپ ہمیشہ متفکر رہتے تھے۔ اکثر چپ رہتے اور بے ضرورت کبھی گفتگو نہ فرماتے، ایک ایک فقرہ الگ اور صاف اور واضح ہوتا تھا، ہاتھ سے اشارہ کرتے تو پورا ہاتھ اٹھاتے، کسی بات پر تعجب کرتے تو ہتھیلی کا رخ پلٹ دیتے، جب کبھی مسرت کی کیفیت طاری ہوتی تو آنکھیں نیچی ہو جاتیں، ہنستے بہت کم تھے، ہنسی آتی تو مسکرا دیتے اور یہی آپ کی ہنسی تھی۔

لباس کے متعلق کسی قسم کا التزام نہ تھا۔ عام لباس، چادر قمیص اور تہمد تھی۔ پاجامہ کبھی استعمال نہ فرمایا لیکن امام احمد اور اصحاب سنن اربعہ نے روایت کی ہے، آپ نے منیٰ کے بازار میں پاجامہ خریدا تھا۔ حافظ ابن قیم نے لکھا ہے کہ اس سے قیاس ہوتا ہے کہ استعمال بھی فرمایا ہوگا۔ موزوں کی عادت نہ تھی لیکن نجاشی نے جو سیاہ موزے بھیجے تھے آپ نے استعمال فرمائے۔ بظاہر روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ چرمی تھے۔ عمامہ کا شملہ کبھی دوش مبارک پر کبھی دونوں شانوں بیچ میں پڑا رہتا تھا، کبھی تحت الحنک کے طور پر لپیٹ لیتے تھے۔ عمامہ اکثر سیاہ رنگ کا ہوتا تھا۔ عمامہ کے نیچے سر سے لپٹی ہوئی ٹوپی ہوتی تھی، اونچی ٹوپی کبھی استعمال نہیں فرمائی۔ — (عمامہ کے نیچے ٹوپی کا التزام تھا۔ فرماتے تھے ہم میں اور مشرکین میں یہی امتیاز ہے کہ ہم ٹوپیوں پر عمامہ باندھتے ہیں)

روایتوں میں آیا ہے کہ آپ نے حلہ حمرا بھی استعمال کیا ہے۔ حمرا کے معنی سرخ کے ہیں۔ اس لئے اکثر محدثین نے وہی عام معنی لئے ہیں لیکن ابن القیم نے اصرار کے ساتھ دعویٰ کیا ہے کہ سرخ لباس آپ نے کبھی نہیں پہنا اور نہ مردوں کے لئے اس کو جائز رکھتے تھے۔ حلہ حمرا ایک قسم کی یمنی چادر تھی جس میں سرخ دھاریاں بھی ہوتی تھیں، اس بنا پر اس کو حمرا کہتے تھے اور یہی کبھی کبھی استعمال کرتے تھے۔ عام محدثین کہتے ہیں کہ اس تخصیص کا کوئی ثبوت نہیں، زرقانی میں یہ بحث نہایت تفصیل سے مذکور ہے۔ مختلف روایتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ نے سیاہ، سرخ، سبز، زعفرانی ہر رنگ کے کپڑے پہنے ہیں لیکن سفید رنگ بہت مرغوب تھا (بعض اوقات چادر بھی استعمال فرمائی ہے جس پر کجاوے کی شکل بنی ہوئی تھی) نعلین مبارک اسی طرز کے بنے

تھے جس کو اس ملک میں چپل کہتے ہیں، یہ صرف ایک تلا ہوتا تھا جس میں تسمے لگے ہوتے تھے
بچھونا چمڑے کا گدا ہوتا تھا۔ چارپائی بان کی بنی ہوتی تھی جس سے اکثر جسم پر بدھیاں پڑ جاتی تھیں
لڑائیوں میں زرہ اور مغفر بھی پہنتے تھے۔ احد کے معرکہ میں جسم مبارک پر دو زرہیں تھیں، تلوار کا
قبضہ کبھی چاندی کا بھی ہوتا تھا۔

طریقہ طعام

اگرچہ ایثار اور قناعت کی وجہ سے لذیذ اور پر تکلف کھانے کبھی نصیب نہ ہوتے، یہاں تک
کہ عام غذا (جیسا کہ صحیح بخاری کتاب الاطعمہ میں ہے) تمام عمر آپ نے چپاتی کی صورت تک نہیں
دیکھی تاہم بعض کھانے آپ کو نہایت مرغوب تھے۔ سرکہ، شہد، حلوہ، روغن زیتون،
کدو خصوصیت کے ساتھ پسند تھے۔ سالن میں کدو ہوتا تو پیالہ میں اس کی قاشیں انگلیوں سے
ڈھونڈتے۔ ایک دفعہ حضرت ام ہانی رضؓ کے گھر تشریف لے گئے اور پوچھا کہ کچھ کھانے کو ہے؟ بولیں
کہ سرکہ ہے، فرمایا کہ جس گھر میں سرکہ ہو اس کو نادار نہیں کہہ سکتے، عرب میں ایک کھانا ہوتا
ہے جس کو حیس کہتے ہیں۔ یہ گھی میں پنیر اور کھجور ڈال کر پکایا جاتا ہے۔ آپ کو یہ بہت مرغوب
تھا۔ ایک دفعہ حضرت امام حسن علیہ السلام اور عبداللہ بن عباس سلمٰی کے پاس گئے اور کہا
آج ہم کو وہ کھانا پکا کر کھلاؤ جو آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کو بہت مرغوب تھا۔ بولیں تم کو
وہ کیا پسند آئے گا؟ لوگوں نے اصرار کیا تو انھوں نے جو کا آٹا پیس کر ہانڈی میں چڑھا دیا۔ اوپر
سے روغن زیتون اور زیرہ اور کالی مرچیں ڈال دیں، پک گیا تو لوگوں کے سامنے رکھا کہ یہ آپ
کی محبوب ترین غذا تھی۔ گوشت کے اقسام میں سے آپ نے دنبہ، مرغ، بٹیر، (حباری) اونٹ،
بکری، بھیڑ، گورخر، خرگوش، مچھلی کا گوشت کھایا ہے۔ دست کا گوشت بہت پسند تھا۔ شمائل
ترمذی میں حضرت عائشہ کا قول نقل کیا ہے کہ دست کا گوشت فی نفسہٖ آپ کو چنداں مرغوب
نہ تھا۔ بات یہ تھی کہ کئی کئی دن تک گوشت نصیب نہیں ہوتا تھا، اس لئے جب کبھی مل جاتا
تو آپ چاہتے کہ جلد پک کر تیار ہو جائے، دست کا گوشت جلدی گل جاتا ہے۔ اس لئے آپ
اسی کی فرمائش کرتے، لیکن متعدد روایتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ یوں بھی آپ کو یہ گوشت پسند
تھا۔

حضرت صفیہؓ کے نکاح میں آپ نے ولیمہ کا کھانا کھلایا تھا تو صرف کھجور اور ستو تھا تربوز کو کھجور کے ساتھ ملا کر کھاتے تھے پتلی ککڑیاں پسند تھیں۔ ایک دفعہ معوذ بن عفرا کی صاحب زادی نے کھجور اور پتلی ککڑیاں خدمت میں پیش کیں (بعض اوقات روٹی کے ساتھ بھی کھجور تناول فرمائی۔ ٹھنڈا پانی نہایت مرغوب تھا۔ دودھ کبھی خالص نوش فرماتے کبھی اس میں پانی ملا دیتے۔ کشمش، کھجور، انگور پانی میں بھگو دیا جاتا، کچھ دیر کے بعد وہ پانی نوش جان فرماتے۔ کھانے کے ظروف میں لکڑی کا ایک پیالہ تھا جو لوہے کے تاروں سے بندھا ہوا تھا۔ روایت میں اسی قدر ہے، قرینہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ٹوٹ گیا ہوگا اس لیئے تاروں سے جوڑ دیا ہوگا۔

دسترخوان پر کھانا آتا، اگر ناپسند ہوتا تو اس میں ہاتھ نہ ڈالتے، لیکن اس کو برا نہ کہتے جو سالن سامنے ہوتا اسی میں ہاتھ ڈالتے، اِدھر اُدھر ہاتھ نہ بڑھاتے اور اس سے اوروں کو بھی منع فرماتے، کھانا کبھی مسند یا تکیہ پر ٹیک کر نہ کھاتے اور اس کو ناپسند فرماتے، میز یا خوان پر کبھی نہ کھایا، خوان زمین سے کسی قدر اونچی میز ہوتی تھی، عجم اسی پر کھانا رکھ کر کھاتے تھے چونکہ یہ بھی فخر اور امتیاز کی علامت تھی یعنی امراء اور اہل جاہ کے لیئے مخصوص تھی اس لیئے آپنے اس پر کھانا پسند نہیں فرمایا، کھانا صرف انگلیوں سے کھاتے، گوشت کو کبھی کبھی چھری سے کاٹ کر بھی کھاتے، صحیح بخاری میں یہ روایت موجود ہے۔ ابوداؤد میں ایک حدیث ہے کہ گوشت چھری سے نہ کاٹو کیونکہ اہل عجم کا شعار ہے لیکن ابوداؤد نے خود اس حدیث کو ضعیف کہا ہے۔ اس حدیث کے راوی کی نسبت بخاری نے لکھا ہے کہ وہ منکر الحدیث ہیں اور ان ہی منکرات میں یہ حدیث مذکور بھی ہے۔

گو تکلف اور جاہ پسندی سے آپ کو نفرت تھی لیکن کبھی آپ نہایت قیمتی اور خوشنما لباس بھی زیب تن فرماتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن عباس جب حروریہ کے پاس سفیر بن کر گئے تو وہ یمن کے نہایت قیمتی کپڑے پہن کر گئے۔ حروریہ نے کہا، کیوں ابن عباس یہ کیا لباس ہے بولے کہ تم اس پر معترض ہو، میں نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بہتر سے بہتر کپڑوں میں دیکھا ہے۔

رنگوں میں زرد رنگ بہت پسند تھا، حدیثوں میں آیا ہے کہ کبھی کبھی آپ تمام کپڑے یہاں تک کہ عمامہ بھی اسی رنگ کا رنگوا کر پہنتے تھے (سفید رنگ بھی بہت پسند تھا فرماتے تھے کہ یہ رنگ سب رنگوں میں اچھا ہے)

سرخ لباس ناپسند فرماتے تھے۔ ایک دفعہ عبداللہ بن عمرو سرخ کپڑے پہن کر آئے تو فرمایا یہ کیا لباس ہے، عبداللہ نے جا کر آگ میں ڈال دیا۔ آپ نے سنا تو فرمایا جلانے کی ضرورت نہ تھی کسی عورت کو دے دیا ہوتا۔

عرب میں سرخ رنگ کی مٹی ہوتی ہے جس کو مغرہ کہتے ہیں، اس سے کپڑا رنگا کرتے تھے۔ یہ رنگ آپ کو نہایت ناپسند تھا۔ ایک دفعہ حضرت زینب اس سے کپڑے رنگ رہی تھیں، آپ گھر میں آئے اور دیکھا تو واپس چلے گئے حضرت زینب سمجھ گئیں، کپڑے دھو ڈالے آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) دوبارہ تشریف لائے اور جب دیکھ لیا کہ اس رنگ کی کوئی چیز نہیں تب گھر میں قدم رکھا۔

ایک دن ایک شخص سرخ پوشاک پہن کر آیا تو آپ نے اس کے سلام کا جواب نہیں دیا۔ ایک دفعہ صحابی نے اونٹوں پر سرخ رنگ کی چادریں ڈال دی تھیں، آپ نے فرمایا میں یہ دیکھنا نہیں چاہتا کہ یہ رنگ تم پر چھا جائے۔ فوراً صحابہ نہایت تیزی سے دوڑے اور چادریں اتار پھینک دیں۔

خوشبو آپ کو بہت پسند تھی۔ کوئی خوشبو کی چیز ہدیۃً بھیجتا تو کبھی رد نہ فرماتے۔ ایک خاص قسم کی خوشبو یا عطر ہوتا ہے جس کو سکر کہتے ہیں، یہ ہمیشہ آپ کے استعمال میں رہتا تھا صحابہ کہتے ہیں کہ جس گلی کوچہ سے آپ نکل جاتے وہ معطر ہو جاتا۔ اکثر فرمایا کرتے، مردوں کی خوشبو ایسی ہونی چاہئے کہ خوشبو پھیلے اور رنگ نظر نہ آئے اور عورتوں کی ایسی کہ خوشبو نہ پھیلے اور رنگ نظر آئے۔

مزاج میں لطافت تھی۔ ایک شخص میلے کپڑے پہنے دیکھا تو فرمایا کہ اس سے اتنا نہیں ہوتا کہ کپڑے دھو لیا کرے۔ ایک دفعہ ایک شخص خراب کپڑے پہنے ہوئے خدمت میں حاضر ہوا آپ نے پوچھا تم کو کچھ مقدور ہے؟ بولا ہاں! ارشاد ہوا کہ خدا نے نعمت دی ہے تو صورت

سے اس کا اظہار ہونا چاہیے"۔

عرب تہذیب و تمدن سے کم آشنا تھے۔ مسجد میں آتے تو عین نمازوں میں دیواروں پر یا سامنے زمین پر تھوک دیتے۔ آپ اس کو نہایت ناپسند فرماتے، دیواروں پر تھوک کے دھبوں کو خود چھڑی کی نوک سے کھرچ کر مٹاتے، ایک دفعہ تھوک کا دھبہ دیوار پر دیکھا تو اس قدر غصہ آیا کہ چہرہ مبارک سرخ ہو گیا۔ ایک انصاری عورت نے دھبہ کو مٹایا اور اس جگہ خوشبو لاکر ملی آپ نہایت خوش ہوئے اور اس کی تحسین کی۔

کبھی کبھی مجلس عالی میں خوشبو کی انگیٹھیاں جلائی جاتیں جن میں اگر اور کبھی کبھی کافور ہوتا۔ ایک دفعہ ایک عورت نے حضرت عائشہ رضؓ سے پوچھا خضاب لگانا کیسا ہے؟ بولیں کچھ مضائقہ نہیں لیکن میں اس لئے ناپسند کرتی ہوں کہ میرے حبیب (صلی اللہ علیہ وسلم) کو حنا کی بو ناگوار تھی۔ اکثر مشک اور عنبر کا استعمال فرماتے۔

ایک دن لوگ مسجد نبوی میں آئے، چونکہ مسجد تنگ تھی اور کاروباری لوگ میلے کپڑوں میں چلے آئے تھے۔ پسینہ آیا تو تمام مسجد میں بو پھیل گئی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ نہا کر آتے تو اچھا تھا۔ اسی دن سے غسل جمعہ ایک حکم شرعی بن گیا۔

ایک دفعہ آپ مسجد میں تشریف لائے، دیواروں پر جابجا دھبے تھے۔ آپ کے ہاتھ میں کھجور کی ٹہنی تھی اس سے کھرچ کھرچ کر تمام دھبے مٹائے، پھر لوگوں کی طرف خطاب کر کے غصہ کے لہجے میں فرمایا کہ کیا تم پسند کرتے ہو کہ کوئی شخص تمہارے سامنے آکر تمہارے منہ پر تھوک دے، جب کوئی شخص نماز پڑھتا ہے تو خدا اس کے سامنے اور فرشتے اس کے داہنے جانب ہوتے ہیں، اس لئے ان کو سامنے یا دائیں جانب تھوکنا نہیں چاہیے۔

ایک صحابی نے عین نماز میں (جب کہ وہ امام نماز تھے) تھوک دیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دیکھ رہے تھے، فرمایا کہ یہ شخص اب نماز نہ پڑھائے۔

مزاج پرسی کے ساتھ ہر شخص سے دریافت فرماتے کہ کوئی ضرورت اور حاجت تو نہیں اور یہ بھی فرماتے کہ جو لوگ مجھ تک مطالب نہیں پہنچا سکتے مجھ کو ان کے حالات اور ضروریات کی خبر کر دو۔

ایران میں معمول تھا کہ جب مجلس میں کوئی معزز شخص آجاتا تو سب تعظیم کو کھڑے ہو جاتے یہ بھی قاعدہ تھا کہ رؤسا اور امراء جب دربار جاتے تو لوگ سینوں پر ہاتھ رکھ کر کھڑے رہتے، آپ نے ان باتوں سے منع فرمایا اور ارشاد کیا کہ جس کو یہ پسند آجاتا ہے کہ لوگ اس کے سامنے تعظیم سے کھڑے رہیں اس کو اپنی جگہ دوزخ میں ڈھونڈنی چاہیئے۔ البتہ جوش محبت میں آپ کسی کے لئے کھڑے ہو جاتے۔ چنانچہ حضرت فاطمہ زہرؓا جب کبھی آجاتیں تو اکثر کھڑے ہو جاتے اور فرطِ محبت سے ان کی پیشانی چومتے، حضرت حلیمہ سعدیہ کے لئے بھی آپ نے اٹھ کر چادر بچھادی۔ اسی طرح ایک مرتبہ آپ کے رضاعی بھائی آئے تو ان کے لئے بھی محبت سے کھڑے ہو گئے اور ان کو اپنے سامنے بٹھایا۔ ہر شخص کو اس کے رتبہ کے مناسب جگہ ملتی کسی شخص کے دل میں خیال نہیں آنے پاتا کہ فلاں شخص اس سے زیادہ عزت یاب ہے۔ جب کوئی شخص اچھی بات کہتا تو آپ تحسین فرماتے اور کوئی شخص نا مناسب گفتگو کرتا تو اس کو منع کر دیتے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات اور تلقینات کا دائرہ اخلاق، مذہب اور تزکیۂ نفس تک محدود نہ تھا اس کے علاوہ اور باتیں منصب نبوت سے خارج تھیں۔ لیکن بعض لوگ نہایت معمولی اور خفیف باتیں پوچھتے تھے۔ مثلاً یارسول اللہ! میرے باپ کا نام کیا ہے۔ میرا اونٹ کہاں ہے؟ آپ اس قسم کے سوال کو ناپسند فرماتے تھے۔

ایک بار اسی قسم کے نو سوالات کئے گئے تو آپ نے برہم ہو کر فرمایا جو پوچھنا ہے پوچھو سب کا جواب دونگا۔ حضرت عمرؓ نے آپ کے چہرے کا رنگ دیکھا۔

کوئی شخص کھڑے کھڑے سوال نہیں کرتا تھا۔ ایک شخص نے اس طرح سوال کیا تو آپ نے اس کی طرف تعجب سے دیکھا۔ اسی طرح یہ بھی معمول تھا کہ ایک مسئلہ طے ہو جاتا تو دوسرا مسئلہ پیش کیا جاتا۔ بعض اوقات آپ گفتگو کرتے ہوئے کوئی صحرا نشیں بدو جو آداب مجلس سے ناواقف ہوتا دفعتًا آجاتا عین سلسلہ میں کوئی بات پوچھ بیٹھتا آپ سلسلہ تقریر قائم رکھتے اور فارغ ہو کر اس کی طرف متوجہ ہوتے اور جواب دیتے۔ ایک دفعہ آپ تقریر فرما رہے تھے ایک بدو آیا اور آتے کے ساتھ ہی پوچھا کہ قیامت کب آئے گی؟ آپ تقریر کرتے رہے۔

حاضرین سمجھے کہ آپ نے نہیں سنا۔ آپ گفتگو سے فارغ ہو چکے تو فرمایا پوچھنے والا کہاں ہے؟ بدو نے کہا میں حاضر ہوں۔ آپ نے فرمایا جب لوگ امانت کو ضائع کرنے لگیں گے۔ بولا امانت کیونکر ضائع ہوگی؟ فرمایا جب نااہلوں کے ہاتھ میں آئے گی۔

کبھی کبھی تو آپ خود امتحان کے طور پر حاضرین سے سوال کرتے۔ اس سے لوگوں کی جودتِ فکر اور اصابت رائے کا اندازہ ہوتا۔ حضرت عبداللہ بن عمر کا بیان ہے کہ ایک دفعہ آپ نے پوچھا وہ کون سا درخت ہے جس کے پتے جھڑتے نہیں اور جو مسلمانوں سے مشابہت رکھتا ہو۔ لوگوں کا خیال جنگلی درخت کی طرف گیا۔ میرے ذہن میں آیا کہ کھجور کا درخت ہوگا۔ لیکن میں کم سن تھا اس لئے جرأت نہ کر سکا۔ بالآخر لوگوں نے عرض کیا حضور بتائیں۔ ارشاد فرمایا کھجور۔ عبداللہ بن عمر کو تمام عمر حسرت رہی کہ کاش میں جرأت کر کے اپنا خیال ظاہر کر دیا ہوتا۔

جب فوج کو کسی مہم پر روانہ فرماتے تو امیر العسکر کو خاص طور پر پرہیزگاری اختیار کرنے اور اپنے رفقا کے ساتھ نیکی کرنے کی ہدایت فرماتے۔ پھر تمام فوج کی طرف مخاطب ہو کر فرماتے

> "خدا کے نام پر خدا کی راہ پر کفار سے لڑو، خیانت بدعہدی نہ کرنا، مردوں کے ناک کان نہ کاٹنا، بچوں کو قتل نہ کرنا"

اس کے بعد شرائط جہاد کی تلقین کرتے۔

جب فوج کو رخصت کرتے تو یہ الفاظ فرماتے

> "میں تمہارے قرض کو امانت اور تمہارے اعمال کے نتائج کو خدا کے حوالے کرتا ہوں"

جب خود شریک جہاد ہوتے اور حملہ کے مقام پر شب کو پہنچتے تو صبح کا انتظار کرتے صبح ہو جاتی تو حملہ کرتے۔ اگر صبح کے وقت حملہ کرنے کا اتفاق نہ ہوتا تو دوپہر ڈھلے حملہ کرتے۔ جب کوئی مقام فتح ہو جاتا تو اقامت عدل و انصاف کے لئے وہاں تین دن تک قیام کرتے۔ جب فتح و ظفر کی خبر آتی تو سجدہ شکرانہ بجالاتے۔ جب میدان جہاد میں شریکِ کارزار ہوتے

تو یہ دعا فرماتے۔

"خداوند تو میرا دست و بازو ہے تو میرا مددگار ہے۔ تیرے سہارے پر میں مدافعت کرتا ہوں حملہ کرتا ہوں اور لڑتا ہوں۔"

معمولات عیادت و عزا

بیماروں کی عیادت و غم خواری آپ ضرور فرماتے تھے اور صحابہ کو ارشاد ہوتا تھا کہ عیادت بھی ایک مسلمان کا فرض ہے۔ ہجرت کے ابتدائی زمانہ میں معمول شریف یہ تھا جب کسی شخص کی موت کا وقت قریب آجاتا تو صحابہ آپ کو اس کی اطلاع دیتے۔ آپ اسکے مرنے سے پہلے تشریف لاتے، اس کے لئے دعائے مغفرت فرماتے اور اخیر دم تک اس کے پاس بیٹھے رہتے یہاں تک کہ دم واپسیں کے انتظار میں آپ کو اس قدر دیر ہو جاتی کہ آپ کو تکلیف ہونے لگتی، صحابہ نے تکلیف کا احساس کیا اور اب ان کا یہ معمول ہو گیا کہ جب کوئی شخص مر جاتا تو آپ کو اس کی موت کی خبر دیتے تو آپ اس کے مکان پر تشریف لے جاتے، اس کے لئے استغفار فرماتے، جنازہ کی نماز پڑھتے۔ اس کے بعد اگر مٹی دینا چاہتے تو ٹھہر جاتے ورنہ واپس چلے آتے لیکن صحابہ کو آخر آپ کی یہ تکلیف بھی گوارا نہ ہوئی اس لئے خود جنازہ آپ کے مکان تک لانے لگے اور یہی عام معمول ہو گیا۔

عیادت کے لئے جب کسی بیمار کے پاس تشریف لے جاتے تو اس کو تسکین دیتے۔ پیشانی، نبض پر ہاتھ رکھتے۔ اس کی صحت کے لئے دعا فرماتے اور کہتے انشاء اللہ خدا نے چاہا تو خیریت ہے۔ کوئی بدفالی کے فقرے کہتا تو ناپسند فرماتے۔ ایک بار اعرابی مدینہ آکر بیمار پڑ گیا آپ اس کی عیادت کو تشریف لے گئے اور کلمات تحسین ادا فرمائے۔

معمولات ملاقات

معمول یہ تھا کہ کسی سے ملنے کے وقت ہمیشہ خود پہلے سلام اور مصافحہ کرتے۔ کوئی شخص اگر جھک کر آپ کے کان میں کچھ بات کہتا تو اس وقت تک اس کی طرف سے رخ نہ ہٹاتے جب تک وہ خود منہ نہ ہٹا لے۔ مصافحہ میں بھی یہی معمول تھا یعنی کسی سے ہاتھ ملاتے تو جب تک وہ خود نہ چھوڑ دے اس کا ہاتھ نہ چھوڑتے۔ مجلس میں بیٹھتے تو آپ کے زانو کبھی ہمنشینوں

سے ملے ہوئے نہ ہوتے۔

جو شخص حاضر ہونا چاہتا دروازے پر کھڑے ہو کر پہلے "السلام علیکم" پھر پوچھتا کہ کیا میں اندر آسکتا ہوں؟ خود بھی آپ کسی سے ملنے جاتے تو اسی طرح اجازت مانگتے۔ کوئی شخص اس طریقہ کے خلاف کرتا تو آپ اس کو واپس کر دیتے۔ ایک دفعہ بنو عامر کا ایک شخص آیا اور دروازہ پر کھڑا ہو کر پکارا کہ اندر آسکتا ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ "جا کر ان کو اجازت طلبی کا طریقہ سکھا دو" یعنی پہلے سلام کر لے تب اجازت مانگے۔

ایک دفعہ صفوان بن امیہ نے جو قریش کے رئیس اعظم تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اپنے بھائی کلاہ کے ہاتھ دودھ، ہرن کا بچہ اور لکڑیاں بھیجیں۔ وہ یونہی بے اجازت چلے آئے۔ آپ نے فرمایا کہ "واپس جاؤ اور سلام کر کے اندر آؤ"۔

ایک دفعہ حضرت جابر زیارت کو آئے اور دروازہ پر دستک دی۔ آپ نے پوچھا کون ہے؟ بولے میں! آپ نے فرمایا "یعنی یہ کیا طریقہ ہے نام بتانا چاہیئے"۔

جب آپ خود کسی کے گھر جاتے تو دروازہ کے دائیں یا بائیں جانب کھڑے ہوتے اور السلام علیک کہہ کر اذن طلب فرماتے (راوی کا بیان ہے کہ آپ عین دروازہ کے سامنے اس وجہ سے کھڑے نہ ہوتے کہ اس وقت تک دروازوں پر پردہ ڈالنے کا رواج نہ تھا) اگر صاحب خانہ اذن نہ دیتا تو پلٹ آتے۔ چنانچہ ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سعد بن عبادہ کے گھر تشریف لائے اور باہر کھڑے ہو کر اذن طلبی کے لئے "السلام علیکم ورحمتہ اللہ" کہا سعدؓ نے اسی طرح آہستہ سلام کا جواب دیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں سنا۔ حضرت سعد کے فرزند قیس بن سعد نے کہا کہ آپ رسول اللہ کو اندر آنے کی اجازت کیوں نہیں دیتے؟ حضرت سعد نے کہا چپ رہو۔ رسول اللہ بار بار سلام کریں گے ہمارے لئے برکت کا سبب ہوگا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دوبارہ السلام علیکم کہا اور سعد نے اسی طرح جواب دیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تیسری دفعہ پھر اسی طریقہ سے اذن طلب کیا لیکن کوئی جواب نہ ملا تو آپ واپس چلے آئے۔ حضرت سعد نے آپ کو واپس جاتے دیکھا تو دوڑ کر گئے اور عرض کی کہ میں آپ کا سلام سن رہا تھا لیکن آہستہ جواب دیتا تھا کہ آپ بار بار

سلام فرما دیں)

کسی کے گھر تشریف لے جاتے تو ممتاز مقام پر بیٹھنے سے فرماتے۔ ایک بار آپ حضرت عبد اللہ بن عمر کے مکان پر تشریف لے گئے۔ انہوں نے آپ کے بیٹھنے کے لیئے چمڑے کا ایک گدا ڈال دیا لیکن آپ زمین پر بیٹھ گئے اور گدا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت عبد اللہ بن عمر کے درمیان آگیا۔

معمولات عامہ

تیمن یعنی داہنی طرف سے یا داہنے ہاتھ سے کام کرنا آپ کو محبوب تھا۔ مسجد میں پہلے داہنا پاؤں رکھتے۔ مجلس میں کوئی چیز تقسیم فرماتے داہنی طرف سے اسی طرح کام کو شروع کرنا چاہتے تو پہلے بسم اللہ کہہ لیتے۔

اکثر سفر کی ضرورت پیش آیا کرتی تھی۔ سفر میں معمول یہ تھا کہ پہلے ازدواج مطہرات پر قرعہ ڈالتے۔ جس کے نام قرعہ پڑتا وہ ہم سفر ہوتیں۔ جمعرات کے دن سفر کرنا پسند فرماتے تھے اور صبح کے تڑکے روانہ ہو جاتے تھے۔ افواج کو بھی جب کسی مہم پر روانہ فرماتے تو اسی وقت روانہ فرماتے۔ جب سواری سامنے آتی اور رکاب میں قدم مبارک رکھتے تو بسم اللہ کہتے اور جب زین پر سوار ہو جاتے تو تین بار تکبیر کہتے اس کے بعد یہ آیت پڑھتے:

"پاک ہے وہ ذات جس نے اس جانور کو ہمارا فرمانبردار بنایا، حالانکہ ہم خود اس کو مطیع نہیں کر سکتے اور ہم خدا کی طرف پلٹنے والے ہیں۔"

پھر یہ دعا کرتے:

"خداوندا! ہم اس سفر میں تجھ سے نیکی، پرہیزگاری اور عمل پسندیدہ کی درخواست کرتے ہیں۔ خداوندا! ہمارے اس سفر کو آسان اور اس کی مسافت کو طے کر دے۔ خداوندا! اس سفر میں تو رفیق ہے، بال بچوں کے لئے تو ہمارا قائم مقام ہے۔ خداوندا! اس سفر اور واپسی کے آلام، مصائب اور گھر بار کے مناظرِ قبیحہ سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔"

جب واپس ہوتے تو اس قدر اضافہ کر دیتے۔

راستے میں جب کسی چوٹی پر چڑھتے تو تکبیر کہتے اور جب اس سے نیچے اترتے تو ترنم ریز

تسبیح ہوتے، صحابہ بھی آپ کے ہم آواز ہو کر تکبیر و تسبیح کا غلغلہ بلند کرتے۔ جب کسی منزل پر اترتے تو یہ دعا فرماتے:

"اے زمین میرا اور تیرا پروردگار خدا ہے۔ میں تیری برائی سے اور اس چیز کی برائی سے اور جو تیرے اندر ہے اور اس چیز کی برائی سے جو تیرے اندر پیدا کی گئی ہے اور چیز کی برائی سے جو تجھ پر چلتی ہے پناہ مانگتا ہوں خداوندا! تجھ سے شیر، سانپ، بچھو اور اس گاؤں کی رہنے والیوں اور آدمیوں سے پناہ مانگتا ہوں۔"

جب کسی آبادی میں داخل ہونا چاہتے تو یہ دعا پڑھتے:

"خداوندا! اے ساتوں آسماں اور ان تمام چیزوں کے پروردگار وہ سایہ فگن ہیں۔ اس ساتوں زمینوں اور ان تمام مخلوقات کے پروردگار جو ان میں موجود ہیں۔ اے شیاطین اور ان تمام نفوس کے پروردگار جن کو وہ گمراہ کرتے ہیں اے ہوا اور ان تمام اشیاء کے پروردگار جن کو وہ اڑاتی ہیں۔ میں تجھ سے اس گاؤں اور اس گاؤں کے رہنے والوں کی بھلائی کی درخواست کرتا ہوں اور اس گاؤں کے رہنے والوں کی برائی سے پناہ مانگتا ہوں۔"

مدینہ پہنچتے تو پہلے مسجد میں جاکر دو رکعت نماز ادا فرماتے۔ پھر مکان کے اندر تشریف لے جاتے۔ تمام لوگوں کو حکم تھا کہ سفر سے آنے کے ساتھ ہی گھر کے اندر نہ چلے جائیں تاکہ عورتیں اطمینان کے ساتھ سامان درست کر لیں۔

•

جناب واصف علی واصف لکھتے ہیں:

اللہ کریم کا ارشاد ہے۔

"اے لوگو! تمہارے پاس ایک رسول آیا ہے، جو خود تم ہی میں سے ہے۔ اور تمہارا نقصان میں پڑنا اس پر شاق ہے۔ تمہاری فلاح کا وہ حریص ہے ایمان لانے والوں کے لیے وہ شفیق اور رحیم ہے۔"

اس سے زیادہ اور کیا سند ہو سکتی ہے کہ حضور کی رحمت اور شفقت کا اعلان اللہ نے خود فرمایا ہے۔ اللہ کا وہ احسان جس کی خواہش اور ضرورت تو انسان کے پاس ہو لیکن کوتاہی عمل کے سبب اس کا استحقاق اس کے پاس نہ ہو، رحمت کہلاتا ہے۔ رحمت اس بارش کی طرح ہے جو سوکھی اور پیاسی زمین کو سیراب کرتی ہے تاکہ مخلوق کے لئے غذا اور لباس کا انتظام ہو سکے۔ بارش زمین کی ضرورت تو ہے لیکن یہ زمین کا عمل نہیں۔

اسی طرح جب وجودِ انسانیت کوتاہی کے سبب بیماریوں کے شکار ہو جائے جسمانی بیماریاں، روحانی بیماریاں، اخلاقی اور سماجی بیماریاں، ایسی بیماریاں جن کا علاج حکما کے پاس نہیں ہوتا۔ نکتہ دانوں، دانش وروں، حکمرانوں اور فلسفہ دانوں کے پاس نہیں ہوتا تو ایسے عالم میں انسان حسرت بھری نگاہ سے صرف آسمان کی طرف دیکھتا ہے۔ علاج کی ضرورت ہوتی ہے لیکن علاج بس میں نہیں ہوتا۔

پیاسی روحیں، پیاسی زمین کی طرح فریاد کرتی ہیں تو رحمت پروردگار جوش میں آجاتی ہے۔ بارانِ رحمت کا نزول ہوتا ہے اور وجود انسانیت کی تطہیر ہوتی ہے۔ محسن انسانیت کے روپ میں احسانِ خداوندی ہوتا ہے۔

رحمت وشفقت کے الفاظ اللہ اور اللہ کے محبوب کے علاوہ کسی انسان کے لیے استعمال نہیں ہوتے۔ اللہ نے اپنے بارے میں ارشاد فرمایا۔ یقیناً اللہ انسانوں کے لئے شفیق اور رحیم ہے۔ رحمت کا مطلب ہے خطاؤں سے درگذر کرنا، گناہوں کو معاف کرنا۔ رحمت کا حصول کسی استحقاق سے مشروط نہیں۔

اگر انسان کا اپنا عمل ذریعہ حصول رحمت ہوتا تو آج علم والوں کو ضرور معلوم ہوتا کہ کسی انسان کو پیغمبر کیوں بنایا جاتا ہے اور اس پر اتنی رحمت کس عمل کی وجہ سے ہوتی ہے کہ اسے جملہ عالمین کے لئے رحمت بنا کر بھیجا جائے (وما ارسلنٰک الا رحمۃ)

منصب رسالت اللہ کی رحمت سے ملتا ہے اور اللہ کی رحمت اپنے پیغمبر کو، اپنے رحمتوں والے رسول کو، اس علاقے میں مبعوث فرماتی ہے جہاں اس کی زیادہ ضرورت ہے۔ یعنی جہاں زیادہ بگاڑ ہو۔ پیغمبر کا ورودِ وجود ہی باعث رحمت ہوتا ہے اور یہ [illegible]

حاصل ہوتی ہے جو زیادہ محروم ہوں۔

رحمت کا بنیادی اور اہم تقاضہ ہے کہ بگاڑ میں اصلاح پیدا ہو، مایوسیوں میں امید پیدا ہو۔ رحمت کا وجود ہی اس لئے ہے کہ لوگوں کو ان کے برے اعمال کی عبرت سے بچایا جائے۔ اللہ کے غضب سے کوئی چیز اگر بچا سکتی ہے تو وہ اس کی رحمت ہے۔ اور اسکی رحمت کا نزول قرآن مجید اور رسول کریم کی ذات میں ہے۔ آپ کی ذات مجسم رحمت ہے، آپ کا ہر انداز، اندازِ رحمت ہے، آپ رحمتوں کے رسول ہیں۔ آپ دم سے ہی انسان شر سے نجات پا کر خیر کے دامن میں آسکتا ہے، آپ کی رحمت تمام جہانوں کے لئے ہے۔ آپ کے تشریف لانے سے پہلے کیا حالات تھے اور بعد میں کیا حالات ہو گئے زمانہ جانتا ہے۔ آپ کا دامانِ رحمت ہمیشہ پھیلتا ہی رہا۔ آپ کے دم سے زمانہ بدل گیا بلکہ زمانے بدل گئے

آپ کی رحمت کسی ایک ملک، کسی ایک قوم، کسی ایک نسل کے لئے نہیں بلکہ عالمین کے لئے، زمین و آسمان کے لئے، ظاہر و باطن کے لئے، ماضی و مستقبل کے لئے، فرزانوں اور نادانوں کے لئے، تاریخ کا فیصلہ ہے کہ دنیا میں کوئی اور انسان اتنی رحمت اور شفقت لے کر نہیں آیا۔

آپ کی ذاتِ گرامی پر وہ سلسلہ ختم ہو گیا جسے بعثت انبیاء کا سلسلہ کہیں گے۔ آپ کی رحمت بھی جملہ عالمین کے لئے ہے اور آپ کی نبوت بھی جملہ عالمین کے لئے۔ آپ کے فیض سے کدورتیں، محبت میں بدل گئیں، آپ نے خدا سے سارے زمانے کی بخششیں مانگیں۔ سب کے لئے رحم مانگا۔ آپ کے فیض نگاہ سے دل منور ہو گئے، دماغ روشن ہو گئے، مایوسیاں پر امید ہو گئیں۔ امیدیں یقین کامل میں بدل گئیں اور یقین ایمان بن گیا اور ایمان ایک عالمگیر طاقت بن کر ابھرا۔ آپ کی رحمتیں، اپنے بیگانے، سب کے کاشانے پر تھیں۔ آپ کی شفقتیں رنگ و نسل سے بے نیاز ہر انسان کے لئے ہیں۔ آپ کی یاد ہی ہمارا سرمایہ ہے اور آپ کی غلامی ہماری عاقبت۔

ہمارے لئے آپ کی سوانح مبارک، آپ کی سیرت طیبہ، صرف تاریخی مطالعہ نہیں ہمارے لئے تو حکم ہے، آپ کا عمل ہمارے لئے راہِ عمل ہے، راہ نجات ہے۔ جب بھی ہمارے معاشرے

میں بگاڑ پیدا ہوا آپ ہی کے فیض نظر سے اصلاح ہوئی۔ آپ ہی کی بخشی ہوئی نورِ ایمان کی روشنی میں پاکستان بنا اور آپ ہی کے فیض رحمت سے اس کا قیام و دوام ممکن ہے۔ آپ ہی کے فیض رحمت سے رحمت و شفقت سب سے زیادہ نمایاں ہیں۔ ظلم اور ظالم کے مقابلے میں آپ کے پاس رحمت و شفقت تھی۔ آپ نے بگڑے ہوئے سرکش مزاجوں کو رحمت کا عملی پیغام عطا فرمایا۔ تاریخ گواہ ہے کہ آپ نے کبھی غصہ نہیں فرمایا۔ آپ نے کسی سے ذاتی انتقام نہیں لیا۔ کسی کو اپنے دامن رحمت سے دور نہیں کیا۔ ہر سائل کے لئے آپ کے پاس شفقتیں ہیں۔ آپ کے پاس ہر دل میں اترنے والی محبت ہے۔ آپ کا قرب، تقرب الٰہی ہے اور آپ سے دوری حقیقت سے دوری ہے۔

آپ کی شفقتوں اور رحمتوں نے وہ عظیم انقلاب پیدا کیا کہ دیکھتے دیکھتے من مانیاں کرنے والے رضائے حق کے طالب ہو گئے۔ آقا و غلام کی تقسیم ختم ہو گئی۔ آپ نے نیا نقطہ نظر عطا فرمایا۔ نیا تخیّل حیات بخشا۔ آپ نے ظالموں کو بے ضرر بنا دیا، بے ضرر کو منفعت بخش بنا دیا۔ نسل و نسب کی برتری ختم کر کے تقویٰ و توکل کی برتری قائم کر دی، عرب و عجم کی تقسیم ختم کر دی، حبشی غلام کو اذیت دینے والے اسی غلام کی آواز کو آوازِ حق سمجھ کر مسرور و مسحور ہوئے۔ آپ نے سرکشوں کو ادب سکھا کر سرفراز کا راستہ دکھایا۔

اللہ کریم نے قرآن مجید میں جو لائحہ عمل ارشاد فرمایا جو عمل دیا اس کے عین مطابق آپ کا عمل موجود رہا۔ آپ کی زندگی قرآن کی عملی تفسیر آپ۔ آپ کو اس حد تک نوازا گیا کہ آپ کی قبل از بعثت کی زندگی کا مفہوم قرآن کے عین مطابق ہے۔

اللہ کا ارشاد ہے کہ اس کی رحمت، اس کے غضب وسیع ہے۔ خالق کا غضب اپنی ہی مخلوق کے لئے کیا ہو سکتا ہے۔ سوائے اس کے کہ وہ مخلوق کا صرف اس کے اعمال کے حوالے سے انصاف فرمائے۔ جلال عدالت کبریا کے سامنے کس کی مجال ہے کہ وہ اپنے کسی عمل، کسی عبادت پر ناز کر سکے۔ اللہ انصاف کرنے پہ آئے تو غضب ہو جائے۔ ہر انسان کو عبرت کا سامنا ہو لیکن اس کی رحمت اس کے غضب سے وسیع ہے۔ رحمت کے وسیع ہونے کا مفہوم ہی یہ ہے کہ رحمت انسان کو اس کے اعمال کی عبرت سے بچائے۔

رسول رحمت کا یہ اعجاز ہے کہ ایک پریشان حال معاشرے کو اس کی عبرت سے بچا کر اسے ایک امتیازی، اخلاقی، روحانی، اسلامی، فلاحی معاشرہ بنا دیا۔

آپ کی رحمت نے کسی کو محروم و مظلوم نہ رہنے دیا۔ آپ کی زندگی میں رحمت شفقت اور درگذر کے اتنے واقعات ہیں کہ تاریخ میں اس کی مثال ملنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا کسی ایک انسان میں کبھی اتنا کمال نہ تھا، نہ ہے، نہ ہو گا۔

آپ نے انسانوں کو اللہ کا رحم حاصل کرنے کا جو عملی راستہ دکھایا۔ اس کے بارے میں آپ کے چند ایک ارشادات ملاحظہ ہوں۔

جو رحم نہیں کرتا، اس پر رحم نہیں کیا جائے گا۔

جو خدا کے بندوں کے لئے رحمت رکھے، اس کے لئے خدا کی رحمت ہے۔

مخلوق پر رحم کرنے والا ہی خالق سے رحم مانگ سکتا ہے۔

حضور اللہ کے محبوب ہیں اور اللہ کی مخلوق آپ کو محبوب ہے۔ آپ کی رحمت و شفقت ہر اس کے لئے ہے جو کائنات میں موجود ہے۔

آپ بچوں پر خاص طور پر شفقت فرماتے۔ آپ کا ارشاد ہے کہ

"جس دل میں خدا اولاد کی محبت ڈالے اور وہ اس محبت کا حق ادا کرے تو دوزخ کی آگ سے محفوظ رہے گا"۔ یہ شفقت مسلمان بچوں تک محدود نہ تھی۔

آپ اس حد تک شفیق تھے کہ اگر کوئی کسی جانور پر بھی ظلم کرتا تو آپ اسے منع فرماتے جانوروں پر داغنے پر بھی آپ کی طبیعت پر گرانی گذرتی۔

ایک دفعہ کسی نے جھاڑی سے پرندے کے بچے اٹھا لئے۔ آپ نے منع فرمایا اور ان بچوں کو واپس کرنے کا حکم دیا کہ ان بچوں کی ماں پریشان تھی۔

آپ کی رحمت و شفقت کا یہ عالم ہے کہ آپ غصہ نہ فرماتے۔ آپ غصہ کرنے والوں کو منع فرماتے۔ اللہ کے اس ارشاد کے مطابق کہ

"اللہ کے محبوب وہی ہیں کہ غصہ میں ضبط کرتے ہیں، لوگوں سے درگذر کرتے ہیں۔ ان پر احسان کرتے ہیں"

ایک دفعہ حضرت ابن عمر نے آپ سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ وہ کون سی چیز ہے جو مجھے اللہ کے قہر و غضب سے بچا سکتی ہے۔ حضور نے فرمایا غصہ میں نہ آیا کرو۔ پھر عرض کیا، یا رسول اللہ مجھے کوئی ایسا مختصر کام بتا دیجئے جس سے نیک انجام کی امید بندھ جائے۔ آپ نے فرمایا "غصہ نہ کیا کرو" اور جتنی مرتبہ سوال کیا گیا آپ نے ہر مرتبہ ایک ہی جواب دیا، غصہ نہ کیا کرو۔ نیز فرمایا کہ غصہ ایمان کو اس طرح برباد کر دیتا ہے جیسے سرکہ شہد کو برباد کر دیتا ہے۔

حضور کا ارشاد ہے کہ جو شخص اپنے غصے پر قابو رکھتا ہے اللہ اس پر رحم کرتا ہے اور عذاب سے پناہ میں رکھتا ہے، اس کی خطائیں بخش دیتا ہے۔ جو شخص زبان کو اپنے بس میں رکھتا ہے حق تعالیٰ اس کی شرم و حیا کو محفوظ رکھتا ہے اور فرمایا کہ گھونٹ تو ہر شخص پیا ہی کرتا ہے لیکن اللہ کے نزدیک مقبول ترین گھونٹ وہ ہے جسے غصے کا گھونٹ کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ غصہ پینے والوں کے دل نور ایمان سے معمور کر دیتا ہے۔

آپ کی شفقت کا یہ عالم تھا کہ آپ نے غارت گر اور دشمن قبائل کے خلاف جتنی مہمیں بھیجیں ان کے سرداروں کو ہمیشہ یہ تاکید کی کہ

"کمزوروں کو ہرگز نہ ستایا جائے، بے ضرر لوگوں کو تنگ نہ کیا جائے۔ خانہ نشینوں، دودھ پیتے بچوں اور بیماروں کو تکلیف نہ دی جائے۔ جو لوگ مقابلہ میں آئیں ان کے گھروں کو تباہ نہ کیا جائے۔ پھل دار درختوں کو برباد نہ کیا جائے۔ کھجور کے درختوں کو ہاتھ نہ لگایا جائے۔"

آپ کی شفقت و رحمت کا دامن اتنا وسیع ہے کہ دوست دشمن سب اسی میں سما سکتے ہیں۔

آپ کے سفر طائف ہی کو لیں۔ اس سفر کا مدعا صرف یہ تھا کہ وہ لوگ راہ ہدایت پر لگ جائیں۔ آپ بہبود و نجات کا پیغام لے کر جاتے ہیں۔ وہاں کے سرکردہ، حق ناشناس لوگ آپ سے ناروا سلوک کرتے ہیں۔ آپ کو سنگ باری کا ہدف بنایا جاتا ہے یہاں تک کہ آپ کی پیشانی مبارک کا خون بہہ کر پائے مبارک تک پہنچ گیا اور آپ نے ایک باغ میں پناہ لی۔ اس دردناک حالت میں بھی آپ کی رحمت و شفقت نے آپ کا ساتھ نہ چھوڑا۔ آپ میں تلخی و ناخوش گواری تک نہ آئی۔ آپ نے اس حالت میں یہ دعا فرمائی۔

"الٰہی! اپنی کمزوری اور بے سروسامانی اور لوگوں میں ناقدری کی فریاد تجھی سے کرتا ہوں۔ اے رحم کرنے والوں میں سب سے بڑھ کر رحم کرنے والے! تو ہی درماندہ عاجزوں کا مالک ہے اور میرا مالک بھی تو ہے۔ مجھے کس کے سپرد کیا ہے؟ بیگانہ، ترش رو کے یا اس دشمن کے جسے میرے معاملے پر قابو ہو۔" اگر تو مجھ سے ناراض نہیں تو کسی مصیبت کی پرواہ نہیں۔ کیونکہ تیری حفاظت اور عافیت میرے لئے بہت ہے۔ میں تیری ذات کے نور کی پناہ میں آتا ہوں جس سے تمام اندھیرے اجالے بن جاتے ہیں۔ دنیا اور آخرت کے تمام کام سنور جاتے ہیں۔ تیری ناراضگی یا غصہ مجھ پہ نہ ہو۔ مجھے صرف تیری رضا اور خوشنودی درکار ہے۔ نیکی کرنے اور بدی سے محفوظ رہنے کی طاقت تیری ہی طرف سے ملتی ہے۔"

سچی محبت اور وسیع رحمت کی کوئی ایسی مثال چشم فلک نے نہ دیکھی ہوگی۔ حضور نے طائف کے واقعہ کو حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ سے بیان فرماتے ہوئے ارشاد کیا۔

"میرے پاس پہاڑ کا فرشتہ آیا اور بولا کہ ارشاد ہو تو پہلو کے دونوں پہاڑ ان پر الٹا دوں اور وہ پیسے جائیں۔ میں نے کہا نہیں نہیں، امید ہے اللہ تعالیٰ ان میں سے ایسے لوگ پیدا فرمائے گا جو ایک خدا کی عبادت کریں گے۔"

یہ تھی حضور کی شان رحمت، یہ تھی حضور کی لازوال و بے مثال شفقت، آپ کے صبر و استقامت کی حیرت انگیز مثال، مخلوقِ خدا کے لئے محبت کے جذبات، تاریخ اسلام ایسی کوئی مثال نہیں ملتی کہ گالی سن کر دعا دی گئی ہو۔ پتھر پھینکنے والوں کو عبرت اعمال سے بچانے کا حوصلہ آپ کی شان ہے۔ آپ کا بے پناہ اعتماد کہ انسان کتنا ہی گمراہ ہو اس پر اصلاح کے دروازے بند نہیں ہوتے۔ انسان کتنا ہی زوال پذیر ہو جائے اس کے لئے رحمت کا امکان ختم نہیں ہوتا۔ تاریخ گواہ ہے کہ ان لوگوں کو نسلیں تو کجا، وہ خود ہی بالآخر حضور کے دستِ شفقت پر ایمان لائے۔ واقعہ طائف سیرۃ طیبہ کا ایک اہم موڑ تھا۔ آزمائش کی سخت ترین منزل میں بھی آپ نے بد دعا نہ فرمائی۔

حضور کی شفقتیں اور رحمتیں وسیع ہیں۔ ان کا بیان بس کی بات نہیں۔ رب العالمین آپکے پیکرِ محبوبی میں نمایاں ہیں۔ آپ کی سیرت طیبہ کا مطالعہ صرف علم نہیں۔ یہ امر ہے، حکم ہے۔ آپ کی صفات سے اکتسابِ فیض تو تبھی کر سکتے ہیں جب ہم ایک دوسرے کو معاف کرنا شروع کر دیں، ہم درگذر کرنے والے بن جائیں، ہم انتقامی جذبات سے آزاد ہوں۔ آپ کے ماننے والے آپ کے اعمال کی روشنی میں سفر کریں۔ حضور نے ایک راہ پر چل کر دکھایا ہے۔ رحمت کا راستہ، محبت و شفقت کا راستہ، معافی و درگذر کا راستہ، استغفار و نجات کا راستہ، برداشت کی بے پناہ قوتوں کا راستہ، بددعا نہ دینے کا راستہ، رضائے الٰہی کا راستہ، بلکہ سیدھا راستہ۔ ہم اس راہ پر چل کر وحدت ملت کی منزل تک پہنچ سکتے ہیں حضور کی سیرت ہی ہمارے لئے دین و دنیا کی فلاح کا راستہ ہے۔ خدا ہمیں حضور کی محبت عطا فرمائے اور اس محبت میں ہم حضور کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق حاصل کر سکیں۔ خدا ہمیں معاف کرنے کا حوصلہ عطا فرمائے۔ آمین

علامہ ضیاء القاسمی کی تحریر سے اب ذرا حسن و جمالِ مصطفیٰ کا نقشہ دیکھئے:۔

ہر نبی حسن و جمال کا بے مثال پیکر ہوتا ہے جن کے دیکھنے ہی سے آنکھوں کو ٹھنڈک اور دل کو سرور ملتا ہے لیکن تمام انبیاء علیہم السلام کا حسن و جمال اور محاسن اور خوبیاں اگر جمع کی جائیں تو خدا کی قسم میرے مصطفیٰ کا حسن تمام انبیاء علیہم السلام کے حسن و جمال سے زیادہ احسن و مکمل ہو گا۔ کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے کہ ؎

رخِ مصطفیٰ ہے وہ آئینہ کہ ایسا دوسرا آئینہ
نہ کسی کی بزمِ خیال میں نہ نگاہِ آئینہ ساز میں

ایک شاعر نے اسی حسن و جمال کو اپنے محبت بھرے انداز سے اس طرح بیان کیا ہے کہ ؎

حُسنِ یوسف، دمِ عیسیٰ ؑ، یدِ بیضا داری
آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری !

معلوم ہوا کہ ہمارے آقا و مولیٰ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم تمام انبیائے کرام سے زیادہ حسین وجمیل تھے۔ چنانچہ احادیث میں آپ کے حسن وجمال جو جھلکیاں ملتی ہیں ان کا ایک مختصر سا خاکہ آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں تاکہ آپ کے ایمان کو تازگی اور روح کو بالیدگی میسر آجائے۔

۱۔ عاشق رسول سیدنا براء رضی اللہ تعالیٰ عنہ ارشاد فرماتے ہیں کہ

"میں نے لمبے بالوں والا سرخ چادر میں ملبوس سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ کوئی حسین نہیں دیکھا" (ترجمہ ترمذی)

حضرت کعب بن مالک رض فرماتے ہیں کہ

"جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم خوش ہوتے تھے تو آپ کا چہرہ مبارک ایسا منور ہو جاتا کہ چاند کا ٹکڑا معلوم ہوتا۔"

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ارشاد فرماتے ہیں کہ

"میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ کسی کو خوبصورت نہیں دیکھا یوں معلوم ہوتا تھا کہ آفتاب آپ کے چہرے میں چل رہا ہے۔" (مشکوٰۃ شریف)

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ

"چاندنی رات تھی اور چاند پورے جوبن پر تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سرخ حلہ لپیٹ کر آرام فرمارہے تھے تو میں کبھی چاند کی طرف دیکھتا تھا اور کبھی حضور اکرم کے چہرہ انور کی طرف دیکھتا تھا" فاذا ہو حسن عندی من القمر (ترمذی۔ مشکوٰۃ)

بالآخر میرا فیصلہ یہی تھا کہ حضور چاند سے زیادہ خوبصورت ہیں۔"

حضراتِ گرامی! حضرات اصحاب رض رسول کے ان ارشاداتِ عالیہ سے معلوم ہوا کہ آپ کا رخ انور اور چہرۂ انور آفتاب سے زیادہ روشن اور چاند سے زیادہ حسین تر تھا۔ تو گویا بات یوں بنی کہ:

آفتاب کو اپنے روشن ہونے پر ناز ہوگا
چاند کو اپنے جمال پہ فخر ہوگا

مگر عاشق رسول کہتا ہے
کہ میرے آقا، میرے حضور نے ان کا مان بھی توڑ دیا۔
آفتاب نے جب میرے مصطفےٰ کا حسن دیکھا
اور چاند نے جب میرے مصطفےٰ کا حسن دیکھا
تو وہ بھی پکار اٹھے

صحن چمن کو اپنی بہاروں پہ ناز تھا
وہ آ گئے تو ساری بہاروں پہ چھا گئے

ساری دنیا چاند کی طرف دیکھتی ہے
خود چاند میرے مصطفےٰ کے رخ انور کی طرف دیکھتا تھا
اِدھر انگلی کا اشارہ ہوا
اُدھر چاند دوڑتا ہوا میرے مصطفےٰ کے پاس آیا۔ سبحان اللہ
چاند کی نور افشانی ایک طرف
سورج کی نور افشانی ایک طرف
مگر محمد مصطفےٰ کے نور بھرے چہرے کا مقابلہ نہیں کر سکتا

چاند سے تشبیہہ دینا یہ بھی کوئی انصاف ہے
اس چاند کے چہرے پر چھائیاں مدنی چہرہ صاف ہے

آپ کا چہرہ نبوت کی کھلی کتاب تھی۔ بعض لوگ صرف رخ مصطفےٰ کو دیکھ کر مسلمان ہوئے اس لئے اگر آپ کے رخ انور کی قسم کھا کر اللہ تعالیٰ آپ کے چہرہ انور کو دلیل توحید و رسالت قرار دیتے ہیں تو اس میں تعجب کی کوئی بات نہیں ہے بلکہ والضحیٰ۔ آپ کا چہرہ بھی مستقل دلیل ہے توحید خداوندی کی۔ چنانچہ آپ کے سامنے صرف دو مثالیں پیش کی جاتی ہیں کہ جن سے بخوبی علم ہو جائے گا کہ صحابہ کرام آپ کے چہرہ انور کو دیکھ کر اس قدر متاثر ہوتے کہ وہ ایمان لائے بغیر نہ رہ سکے۔

چنانچہ حضرت ابورافع ایک صحابی رسول ہیں، فرماتے ہیں کہ قریش نے مجھے سرکارِ دو عالم

صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک پیغام دے کر بھیجا۔ میں جونہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ
کی خدمت میں حاضر ہوا تو میرے دل میں اسلام کی دولت راسخ ہو گئی۔ چنانچہ آپ اپنی
میں ارشاد فرماتے ہیں کہ

(بحوالہ مشکوٰۃ، کتاب الجہاد) یعنی جب میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو د
تو فوراً میرے دل میں اسلام کی دولت ڈال دی گئی۔

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم جب ہجرت کر کے مدینہ منورہ پہنچے تو حضرت یوسف
علیہ السلام کی نسل سے ایک اسرائیل عالم دین حضرت عبد اللہ بن سلام بھی آپ کی زیارت
کے لئے آئے۔ حضرت عبد اللہ بن سلام فرماتے ہیں کہ

میں نے آپ کی طرف دیکھا اور میں نے آپ کے چہرہ انور کو غور سے دیکھا تو
مجھے یقین ہو گیا گویا

آپ کا چہرہ ۔۔۔۔ اسلام کی روشن دلیل
آپ کا چہرہ ۔۔۔۔ دین کی روشن دلیل
آپ کا چہرہ ۔۔۔۔ توحید کی روشن دلیل
آپ کا چہرہ ۔۔۔۔ صداقت کی روشن دلیل
آپ کا چہرہ پڑھتا جا،
اور اسلام کی تحریریں سمجھتا جا،

میں مضمون کو سمیٹ لوں اور اپنی معروضات کا خلاصہ عرض کروں کہ اللہ تعالیٰ نے
والضحیٰ کی قسم کھا کر،

یا تو چاشت کے وقت کی قسم کھائی،
اور یا رخ مصطفیٰ کی قسم کھائی،

دو قسموں سے یہ مقصود کہ اے قریش اور میرے محبوب کی رسالت کے کھلے اور نکھرے
چہرے کا انکار کرنے والو! میرا محبوب بڑھے گا، پھلے گا، پھولے گا، اس کی عظمتوں کا ڈنکا چہار
چار دانگ عالم میں بجے گا۔ کوئی بد رُو اور بد روح میرے مصطفیٰ کے راستے میں رکاوٹ بننے

کی کوشش کرے گا تو اس کو حرف غلط کی طرح مٹا دیا جائے گا۔

عاشق رسول کہتا ہے ؎

میرا دل چاہتا ہے کہ حسن صورت اور حسن سیرت کے بے مثال پیغمبر کے چہرہ انور کی جو تصویر دربار رسالت کے شاعر حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے کھینچی ہے اس کا بھی ذکر ہو جائے تا کہ اس شاعر مدحت رسول کے جذبات بھی آپ کے سامنے آ جائیں، جس نے پیغمبر کے سامنے اپنے مدحیہ اشعار کو پڑھ کر عرش و فرش والوں سے داد و تحسین وصول کی تھی۔ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور کے حسن و جمال کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں کہ؛

آپ سے زیادہ حسن والا میری کسی آنکھ نے کرہ ارض پر کوئی دیکھا ہی نہیں!

آپ سے زیادہ جمیل کسی ماں نے کوئی بچہ جنا ہی نہیں!

آپ کو اللہ تعالیٰ نے ہر عیب سے پاک پیدا فرمایا ہے!

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے تمام نقش و نگار آپ کی مرضی کے مطابق بنائے گئے ہیں!

آپ سلطنت حسن کے بادشاہ ہیں!

حسن و جمال میں آپ کا کوئی ثانی نہیں!

کوئی عیب آپ کے قریب آنے ہی نہیں دیا! سبحان اللہ

پوری دنیا کو حکم ہے عیب کے قریب نہ جانا،

علماء کو حکم ہے عیب کے قریب نہ جانا،

فقہا کو حکم ہے عیب کے قریب نہ جانا،

مفسرین کو حکم ہے عیب کے قریب نہ جانا،

محدثین کو حکم ہے عیب کے قریب نہ جانا،

رسول عیوب سے پاک ہے، اسی طرح صدیق رضؓ و عمر رضؓ صدیقہ عائشہ بھی عیبوں سے پاک ہیں!

اسی لئے صدیق رضؓ و عمر رضؓ روضہ انور میں ساتھ ہی سوئے ہوئے ہیں اور حجرہ صدیقہ ہمیشہ

کے لیے جنت کا ٹکڑا اور آرام گاہِ مصطفیٰ بنا ہوا ہے۔ سبحان اللہ!

ابوبکرؓ اور عمرؓ پر انعام ختم ہے
ہر آن مل رہی ہے سعادت حضور کی!

وَالَّیْلِ اِذَا سَجٰی آیئے ذرا آگے بڑھیں

اس آیت کریمہ میں آپ کی زلفوں کی قسم ہے۔ رخِ تاباں اور گیسوئے سیاہ، ان کا آپس میں گہرا تعلق ہے۔

آپ کے گیسو اور آپ کی مبارک زلفوں کی قسم کھا کر یہ بتایا گیا کہ کہ اے میرے محبوب! نہ تو تیرے رب نے تجھے چھوڑا ہے اور نہ ہی وہ آپ سے ناراض ہوا ہے۔

آپ کا آنے والا وقت گذرے ہوئے وقت سے اور بہتر ہو گا

گویا کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو بشارت اور تسلی دی جا رہی ہے کہ میرے محبوب! جو مصائب اور رنج کی گھڑیاں گذر چکی ہیں وہ اب گذر گئیں۔ آئندہ راحتیں اور سکون میسر آئے گا، مصائب کے دن ختم ہو جائیں گے، راحت کا سویرا ہو گا، مسرتوں کی ایسی صبح ہو گی کہ آپ کا رخ انور بہت ہی مسرور ہو گا، آپ کے دامن کے ساتھ ایسے افراد اور ایسی بلندیاں وابستہ کر دی جائیں گی کہ ہر سمت آپ ہی کا ڈنکا بجے گا اور دین حق کا غلبہ نصیب ہو گا دنیا کی کوئی طاقت آپ کے راستے کو نہیں روک سکے گی۔

اے محبوب ہم نے آپ کو کوثر عطا کیا

یعنی دو نعمتیں ایسی ہیں کہ آپ کو آخرت میں دی جائیں گی۔ ان دو نعمتوں کا نام حوض کوثر اور نہر کوثر ہے۔

حوض کوثر کی نعمت اللہ تعالیٰ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو حشر کے دن عطا فرمائیں گے۔ یہ نعمت صرف اور صرف حضور کی ذات گرامی کو عطا کی جائے گی اور اس چشمۂ فیض سے

کروڑوں اربوں اللہ کے بندے فیض یاب ہونگے۔ حوض کوثر کے متعلق کثرت سے احادیث میں روایات آتی ہیں جن میں حوض کوثر کی حقیقت، اس کا وجود، اس سے سیراب ہونے والوں کی کیفیات اور نوعیت کا علم ہوتا ہے۔ اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ آپ حضرات کے سامنے چند احادیث کا تذکرہ کر دیا جائے تاکہ آپ بھی اس چشمہ محمدی سے اپنی پیاس بجھا سکیں۔

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

" وہ ایک حوض ہے جس پر میری امت قیامت کے دن وارد ہوگی (مسلم ابوداؤد)

پھر فرمایا "میں تم سے پہلے اس پر پہنچا ہوا ہوں گا" (بخاری)

حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت ابوہریرہ کی روایات میں آتا ہے کہ حضور اکرم ؐ نے فرمایا:

"میں تم سے آگے پہنچنے والا ہوں اور تم پر گواہی دوں گا اور خدا کی قسم میں اپنے حوض کو اس وقت دیکھ رہا ہوں"۔

ایک مرتبہ آپ نے انصار کو خطاب کر کے فرمایا کہ میرے بعد تمہیں نامساعد حالات کا سامنا کرنا پڑے گا تم اس پر صبر کرنا، یہاں تک کہ تمہاری ملاقات میرے ساتھ حوض (کوثر) پر ہو۔!!

ہم سیاہ کار و ناکارہ افرادِ امّت کو چاہیئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دامن تھامے رہیں تاکہ حوض کوثر پر حضور کی معیّت اور میزبانی کا شرف حاصل ہو۔

آمین

بہترین کتابیں

اسلامی اخلاق ——— مولانا حبیب الرحمن خاں شروانی
گلدستۂ مثنوی ——— مولانا جلال الدین امجدی
احوال العارفین ——— حافظ غلام فرید
عربی بولیے ——— شفیق مرزا
اعمالِ قرآنی ——— مولانا اشرف علی تھانوی
خصوص الکلم فی حل فصوص الحکم ——— ″
انسانِ کامل ——— حاجی محمد منیر قریشی
یارِ کامل (حضرت ابوبکر صدیق) ——— ″
اسلام اور سائنس ——— ″
با محمدؐ ہوشیار ——— ″
قرآنی دعائیں ——— ″
رہنمائے قرآن ——— ڈاکٹر میر ولی الدین
حضرت میاں میرؒ ——— اقبال احمد
تعلیم الاسلام ——— مولانا کفایت اللہ دہلوی
ثنائے محمدؐ (نعتیں) ——— مرتبہ راجا رشید محمود
ارمان مدینے والے دا (پنجابی نعتیں) ——— ″
نماز اور اس کے مسائل ——— اظہر جنجوعہ
اقبالؒ، قائدِ اعظمؒ اور پاکستان ——— راجا رشید محمود
ماں باپ کے حقوق ——— ″
حلال وحرام ——— مولانا فتح محمد لکھنوی

محمد منیر قریشی

نذیر سنز پبلشرز
۴۰ - اے ، اردو بازار ، لاہور